ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عشرت شہناز[۞]

سراج اورنگ آبادی — حیات و خدمات

Siraj Aurangabadi— Life and Works

By *Ishrat Shehnaz, Assistant Professor (Retd.), Department of Urdu, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology (Gulshan Campus), Karachi.*

ABSTRACT

Urdu poetry has a vast subject— matter of Sufism and mysticism. Many poets of Urdu have dedicated theirselves to mystic poetry and Siraj Aurangabadi is at the top. He is a poet best known for his up-bringing and brought up in the age of Wali Deccani but he himself imprinted the history of Urdu literature while lesser information available in and among academicians.

His life and works have been discussed in this article which is critically acclaimed and quoted with suitable references.

Keywords: Siraj Aurangabadi, Mysticism, Sufism, Ghazal.

پیدائش:

سید سراج الدین سراج اورنگ آباد کے سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سید درویش کے اکلوتے بیٹے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کا تاریخی نام ''ظہور احد'' رکھا[۱] جسے اردو ادب کی تاریخ میں سید سراج الدین سراج کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے تاریخ پیدائش کے بارے میں کسی تذکرے اور تاریخِ ادب میں کچھ اشارہ نہیں ملتا۔ ان کے پیدائش کا سنہ کا حساب خود ان کے اپنے دیوان اردو کی تدوین کے وقت آخر میں درج ایک قطعہ سے کیا جاتا ہے لیکن مخطوطات میں اس قطعے میں لفظی اختلاف بھی ملتا ہے، وہ قطعہ یہ ہے۔[۲]

جب کیا جزوِ پریشاں سخن شیرازہ بند — تھے چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سالِ ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک — واقفِ علم لدنّی صاحبِ ارشاد کے[۳]

۞ اسسٹنٹ پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی (گلشن کیمپس)، کراچی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

اس قطعے کی روشنی میں سراج نے چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں، ۱۱۵۱ھ میں اپنا دیوان ترتیب دیا۔ تو ان کی عمر کا تعین اس قطعہ کی بنیاد پر کیا۔ تمام تذکرے، کتب، مضامین کے حوالے اس بات پر متفق ہیں۔[۴] خود انھوں نے بھی ''منتخب دیوانہا'' میں بارہ سال کی عمر میں دیوانگی طاری ہونے اور سات سال بعد ہوش وخرد کی دنیا میں واپس لوٹنے کا احوال لکھا ہے۔ اس طرح ۱۲+۷=۱۹ سال ہوئے۔ جب کہ ہوش میں آنے کے پانچ سال بعد دیوان مکمل کیا تو ۱۹+۵=۲۴ سال پورے ہو گئے۔ اب اس چوبیس سال کو اگر دیوان کی تدوین کے سال ۱۱۵۱ھ سے نکالا جائے تو سال پیدائش ۱۱۲۷ھ کا حاصل ہوتا ہے۔ تدوین دیوان ۱۱۵۱ھ درج ذیل مخطوطات میں ملتا ہے۔[۵]

۱۔ مخطوطہ ق ۱۱۳، مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی مکتوبہ ۱۱۶۰ھ
۲۔ مخطوطہ نسخہ مملوکہ پروفیسر حسین علی خاں مکتوبہ ۱۱۶۱ھ
۳۔ مخطوطہ ق ۱۱۲ مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی، مکتوبہ ۱۲۴۴ھ

جب کہ تھوڑے سے اختلاف سے تیسرے مصرعے میں ۱۱۵۱ھ کے بجائے ۱۱۵۲ھ بھی درج ملتا ہے۔

سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و دو[۶]

۱۔ نسخہ ق ۱۶۳، مکتوبہ ۱۱۶۸ھ مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی۔
۲۔ نسخہ ۴۳۸ مخزونہ سالار جنگ لائبریری مکتوبہ ۱۱۷۳ھ
۳۔ نسخہ ۵۵۸ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن سنہ کتابت ندارد میں ۱۱۵۲ھ درج ہے۔

سراج کا دیوان ۱۱۵۱ھ یا ۱۱۵۲ھ میں مدوّن ہوا۔ اس قطعے کی روشنی میں ان کا سال پیدائش ۱۱۲۷ھ یا ۱۱۲۸ھ قرار دیا جاسکتا ہے۔ زیادہ تر محققین نے اسی قطعے کو بنیاد بنا کر ان کی سنہ پیدائش کا تعین کیا ہے۔ ۱۱۵۱ھ اگر تدوین کا سال ہے تو پیدائش کا سال ۱۱۲۷ھ قرار پاتا ہے۔ ان کے ۱۱۵۲ھ کے دیوان کے سال تدوین کے حساب سے سالِ پیدائش ۱۱۲۸ھ ہے۔ پیدائش ۱۱۲۷ھ کو تسلیم کرنے والے اصحاب میں حکیم شمس اللہ قادری،[۷] محمد یحییٰ تنہا،[۸] نصیر الدین ہاشمی،[۹] رام بابو سکسینہ،[۱۰] ڈاکٹر فرمان فتح پوری،[۱۱] ڈاکٹر رفیق حسین،[۱۲] ظفر یاب خاں[۱۳] اور ثناء الحق[۱۴] ہیں۔ جب کہ ۱۱۲۸ھ درست سال پیدائش قرار دینے والوں میں عبدالقادر سروری،[۱۵] ڈاکٹر جمیل جالبی،[۱۶] عبدالغفور مجددی[۱۷] اور محمد حسن[۱۸] ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور[۱۹] اور مرزا افضل بیگ قاقشال[۲۰] نے ۱۱۲۵ھ درست سال پیدائش بتایا ہے۔ شفقت رضوی نے ضیاء الدین پروانہ کی تصنیف ۱۲۰۳ھ ''انوار السراج'' کے حوالے سے سراج کی تاریخ پیدائش ۱۱۲۴ھ تحریر کی ہے۔[۲۱] معاصر رفیق ضیا الدین پروانہ نے ''انوارالسراج'' میں سراج کی تاریخِ پیدائش ۱۳ صفر ۱۱۲۴ھ بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

لطف سجع ایں است کہ سہ پشت وارد۔ یعنی سید درویش بن سید گوہر بن سید دریا بن سید اولیا بعد چندے صبیہ سید عبداللطیف قادری کہ از عمدہ ہاے دکن است در موضع دیول گھاٹ از نواحی اورنگ آباد آسودہ در سلک ازدواج کشید و از بطن آں سیدہ خواجہ ما سیز دہم صفر روز دوشنبہ ۱۱۲۴ھ اربع وعشریں و مایۂ والف۔ دراورنگ آباد بعد صد وجود قدم رنجا فرمودند والد ماجد ''ظہور احد'' تاریخ یافت بعد وصول بہ سن تمیز در خدمت والد ماجد تلمذ نمودند و فرصت کلی در جمیع علوم استعداد عالی بہم رسانیدند۔ (۲۲)

پروانہ نے اپنی زندگی کا طویل حصہ سراج کی صحبت میں گزارا تھا۔ نیز انھوں نے جو حالات تحریر کیے ان کا ماخذ بھی سراج ہیں۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو پروانہ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح روشن و ظاہر تھا۔ چوں کہ خود سراج نے منتخب دیوانہا کے دیباچے میں اپنی ابتدائی زندگی کے کچھ پہلو پر روشنی ڈالی ہے، لیکن پیدائش کی تاریخ کے سنہ کو نہ لکھ کر تشنگی بڑھا دی۔ اس باب میں تمام تذکرے اور کتب خاموش ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش کا بعد ازاں جو بھی تعین کیا گیا وہ محض قیاسات تھے۔

لیکن سراج نے قطعہ میں اپنی عمر چوبیس سال بتائی اس سے بھی ابہام اور شکوک پیدا ہوئے۔ اس کے لیے کئی تاویلیں پیدا کی گئیں۔ مثلاً ایک تاویل قطعہ کی وضاحت میں یہ پیش کی گئی کہ چوں کہ سراج کا تعلق اہلِ حال سے تھا۔ ان کی ساری زندگی جذب و مستی کی حالت میں بسر ہوئی۔ دیوانگی سے ہوش و خرد کی دنیا میں واپس آنے کے باوجود بھی تصوف و معرفتِ الٰہی، کائنات کے اسرار و رموز ارعرفان و معرفت کا غلبہ ان پر جاری رہتا تھا۔ اسی عالم جذبات میں بے خود شعر کہا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے اشعار کو کبھی محفوظ نہیں کیا۔ اس لیے اس بات کا امکان قوی ہے کہ شاعرانہ ترنگ میں انھوں نے سال پیدائش ۲۴ھ کے بجائے اپنی عمر ۲۴ سال لکھ دی ہو۔

دوسری وضاحت یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ سراج جس دور کا شاعر ہے اس وقت عام طور پر تاریخِ پیدائش کے سلسلے میں صحت کا خیال رکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اندازے سے اس وقت بچوں کی عمروں کا تعین کیا جاتا تھا۔ اسی لیے سراج نے بھی اندازے سے اپنی عمر کو لکھ دیا ہوگا۔

تیسری تاویل عمر کے بارے میں یہ دی جا سکتی ہے کہ چوں کہ عمر کم بتانا ہمیشہ ہی سے ایک پرانی انسانی کمزوری رہی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ سراج بھی نفسیاتی طور پر اس کا شکار ہو گئے ہوں۔

ان تینوں وضاحتی تاویلات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سراج انسانی کمزوری اور نفسیاتی طور پر کسی دباؤ کا شکار نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے اس حوالے سے اپنی کم عمر نہیں لکھی، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری تاویل اندازاً

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

عمر بتانے والی اس وقت کے ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے کہ اس وقت پیدائش کی تاریخ کا حساب نہیں رکھا جاتا تھا۔ پہلی تاویل زیادہ قابلِ قبول اس لیے ہے کہ شاعرانہ ترنگ میں ۲۴ ہجری کے بجائے ۲۴ سال عمر لکھ دی ہو اس غلطی کا امکان زیادہ قوی ہے۔ کہ انھوں نے ۲۴ ہجری کو ۲۴ سال عمر لکھ دیا ہے۔

ضیاء الدین پروانہ نے سراج کا تاریخی نام ''ظہور احد'' بتایا ہے جس سے ان کی پیدائش کا سال نکلتا ہے جو ۱۱۲۴ھ ہے۔ پروانہ اور شفقت رضوی کے ساتھ مجھے بھی پروانہ کے بتائے گئے سالِ پیدائش سے مکمل اتفاق ہے۔ سراج کی پیدائش ۱۳/صفر بروز پیر (دوشنبہ) ۱۱۲۴ھ بمطابق ۱۷۱۲ء ہے۔[۲۳] سراج کی یہ تاریخِ پیدائش بالکل درست ہے۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔ اس کے درست ہونے کی بڑی وجہ سید درویش نے اپنے بیٹے کا خود تاریخی نام ''ظہور احد'' رکھنا ہے۔ دوسری درست وجہ اس تاریخی نام کے جو اعداد ہیں وہ ۱۱۲۴ ہیں۔ یہ اعداد درست سالِ پیدائش کی تائید کرتے ہیں۔ تیسری وجہ باپ کبھی پیدائش کی تاریخ میں غلطی نہیں کر سکتا۔ چوتھی وجہ سال پیدائش کے بارے میں یہ معلومات سراج کے معاصر مرید اور ہمدرد رفیق ضیاء الدین پروانہ کے توسط سے پہنچی ہیں۔ وہ سراج کے معتمد رفیق ان کی زندگی اور مسائل و حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کے نہایت مخلص و جاں نثار ساتھی تھے۔

پروانہ نے سراج کے حسب و نسب کے بارے میں بھی ''انوار السراج'' میں مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ جب کہ اس سلسلے میں تذکرے اور تاریخ ادبیات خاموش ہیں۔ ان سے سراج کے حسب و نسب، آباؤ اجداد کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔ یہ معلومات ہمیں پروانہ انوار السراج میں فراہم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''حسب و نسب حضرت خواجہ بگوش حقیقت نیوش می رساند''۔[۲۴] وہ ان کے سادات ہونے کے بارے میں بھی بتاتے ہیں کہ ''خواجہ ما از سادات کاظمیہ موسویہ است''۔ مزید معلومات اس طرح دیتے ہیں کہ ''الحسینی نسباً وچشتی طریقۃً و اورنگ آبادی وطناً''۔[۲۵]

حسب و نسب:

تمام تذکرے اور تاریخ ادب و مضامین میں سراج کے سادات گھرانے سے تعلق اور وطن اورنگ آباد ہونے میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ پروانہ کے درجِ بالا پیدائش میں دیے گئے اقتباس ''انوارالسراج'' سے واضح ہوتا ہے کہ سراج کے آباؤ اجداد کی گزشتہ چار نسلوں کا سلسلہ نسب ایک نیک درویش صفت صوفی بزرگ سید محمد سے جا ملتا ہے۔ سید محمد اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت و نیک نامی کے باعث سید اولیا کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا۔ مدینے میں وہ بنی حسینی کے علاقے میں رہتے تھے۔ اپنے خاندانی مسائل و حالات اور گردش زمانہ سے مجبور ہو کر ترک وطن کیا اور ہندوستان آئے۔ مدینہ منورہ سے ہندوستان پہنچنے پر پہلے انھوں نے بارہہ میں سکونت اختیار کی۔[۲۶]

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

یہاں سادات پہلے ہی سے بڑی تعداد میں آباد تھے۔ سید محمد معروف بہ سید اولیا جس سکون اور آسودگی کی تلاش میں آئے تھے، وہ یہاں بھی میسر نہ آئی تو ایک بار پھر ہجرت کر کے دہلی آئے۔ دہلی شہر کے نواح میں سادات کی ایک بستی جانسٹھ تھی۔[۲۷] انھوں نے جانسٹھ میں قیام کیا۔ اس بستی میں بھی مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے آنے والے سادات کی اکثریت آباد تھی۔ جانسٹھ میں آباد ہونے کی ایک وجہ مدینے سے آئے سادات کا آباد ہونا تھا۔ اور خود ان کا تعلق بھی مدینہ منورہ سے تھا۔ ممکن ہے کہ ان کے عزیز و اقارب، شناسا ہم وطن مل گئے ہوں جس کی وجہ سے یہاں سکونت کو ترجیح دی۔

دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سید محمد نے جانسٹھ میں مقیم ایک سادات خاندان زیدیہ سے قرابت و رشتے داری کا تعلق استوار کیا۔ مدینے سے ہندوستان آنا ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے نوجوانی میں ہجرت کی ہوگی۔ سید محمد اپنے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور تبحّرِ علمی کے باعث نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اپنے کمالاتِ علمی، خدا ترسی کی وجہ سے اپنے اصلی نام کے بجائے سید اولیا کے نام سے مشہور ہوئے۔ قرۃ العین حیدر نے جانسٹھ بستی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> شاہانِ دہلی بیوقوف ہرگز نہ تھے سادات کی قدر کرتے تھے۔ مگر ان کی بستیاں ہمیشہ دارالسلطنت سے سو میل سے زیادہ فاصلہ پر آباد کرواتے تھے۔ مبادا یہ حضرات جو صدیوں سے خود کو حکومت کا حق دار سمجھتے تھے کہیں موقع پاتے ہی تاج و تخت پر قابض نہ ہو جائیں۔ چناں چہ دہلی کے قرب و جوار میں سیدوں کے قصبے ناپید ہیں۔ جانسٹھ ضلع مظفر نگر پایۂ تخت کے نزدیک ہے۔[۲۸]

سید محمد کی اولادِ نرینہ میں سید دریا تھے۔ جو کہ خود بھی درویش صفت صوفی بہ شرع تھے۔ سید دریا کے بیٹے سید گوہر تھے۔ جو سید محمد معروف سید اولیا کے پوتے تھے۔ یہ جانسٹھ میں پیدا ہوئے۔[۲۹] اپنی تمام عمر یہیں بسر کی۔ سید گوہر بھی اپنے والد سید دریا کی طرح خدا رسیدہ، صوفی منش درویش صفت انسان تھے۔ ان کے فرزند سید درویش سراج کے والد گرامی قدر تھے۔ جنھوں نے ترکِ وطن کیا اور اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔ یہ عالم گیری عہد تھا۔ اورنگ آباد کو دارالخلافہ ثانی ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ لسانی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے شمال و دکن کے رشتے ایک بار پھر محمد تغلق کے عہد جیسے باہمی اختلاط و روابط قائم کر رہے تھے۔ دونوں کے تہذیب و تمدن اور اندازِ فکر نے گہرے اثرات مرتب کیے۔

ہند کے بیش تر علما فضلا نے اورنگ آباد کا رخ کیا۔ ان ہجرت کر کے اورنگ آباد آنے والوں میں حضرت غلام علی آزاد بلگرامی، حضرت ذکا بلگرامی، حضرت سید فخر الدین جیسے اہل علم و فضل شامل ہیں۔ سید درویش جیسے صوفی منش کا جانسٹھ سے ہجرت کر کے اورنگ آباد آنا وسائل معاش کی تلاش قرار دیا جا سکتا ہے۔[۳۰]

سراج کی چوتھی پشت کے جدامجد نے مدینہ منورہ سے ہندوستان کی ہجرت کرنے کے جس عمل کا آغاز کیا، وہ ان کے پڑ پوتے سید درویش کی جانسٹھ سے اورنگ آباد کی ہجرت پر ختم ہوا۔ انھوں نے ترکِ وطن کر کے اورنگ آباد کو اپنا مسکن بنایا۔ سید درویش نے بھی اپنے اجداد کے سلسلے کی پیروی کرتے ہوئے بزرگی، زہدو پاکبازی، تقویٰ اور علم وعرفاں کے جو چراغ سید محمد نے جلائے تھے۔ اس کی ضوفشانی سے اپنے اسلاف کے پیروی میں مزید تابناکی کو بڑھایا۔ سید درویش بھی صوفی منش درویش صفت عالم تھے۔ ''انوارالسراج'' میں پروانہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> سید درویش درعلوم متداولہ صاحب استعداد شائستہ بود و ہمیشہ با فادۂ طلبۂ اوقات شریف معمور داشت۔ (۳۱)

حالاتِ زندگی:

پروانہ کی ''انوارالسراج'' میں دی گئی معلومات سے پتا چلتا ہے کہ سید درویش کا پیشہ معلمی تھا۔ انھوں نے اورنگ آباد کے نواح میں آباد ایک قصبہ دیول گھاٹ کے ایک معزز خاندان میں شادی کی۔ سید عبداللطیف قادری کی صاحب زادی صبیحہ سراج کی والدہ تھیں۔ سید عبداللطیف کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا۔

سراج کے نانا محترم سپاہی پیشہ تھے۔ سراج والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ جن کی پیدائش پر والد محترم سید درویش نے ''ظہوراحد'' تاریخی نام رکھا جس کا مستند حوالہ پروانہ نے ''انوارالسراج'' میں دیا جس سے سراج کی پیدائش کا تعین کرنے میں مدد ملی۔ جب کہ بقیہ حالات زندگی سے واقفیت ہمیں سراج کی تصنیف ''منتخب دیوانہا'' کے دیباچے سے ملی۔

عبدالجبار ملکا پوری نے اپنے تذکرے ''محبوب الزمن'' میں لچھمی نرائن شفیق کے تذکرے ''چمنستان الشعرا'' اور افضل قاقشال کے تذکرے ''تحفۃ الشعرا'' کے حوالے سے سراج کی شخصیت، مزاج اور افتادِ طبع، عادات و خصائل کی جو مرقع کشی ملتی ہے، اس سے ان کی شخصیت کے خدوخال، مزاج اور سیرت و کردار کے تمام نقوش و خصائل سامنے آجاتے ہیں۔ وہ ان مؤلفین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> سراج صاحب سوز و گداز، فقیر پاکباز تھے، مسافر دوست، غریب نواز تھے، گوشہ نشیں و خلوت گزیں، پاکیزہ دل و پاکیزہ ذہن تھے۔ مزاج میں تواضع و خاکساری اس درجہ تھی کہ ہر کس و ناکس کے سامنے جھکے جاتے تھے۔ سبک روح و ہنس مکھ تھے۔ بوڑھوں میں بوڑھے اور جوانوں میں جوان بچوں میں بچے بنتے تھے۔ نہایت خوشی ہنسی سے ملتے تھے۔ اہل دکن کیا امیر و کیا فقیر سب آپ کی بڑی عزت و آبرو کرتے تھے۔ (۳۲)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سراج کی شخصیت، مزاج، سیرت و کردار کا ان اوصافِ حمیدہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنے نیک طینت، نرم خو، نرم مزاج، خوش باش، پابندِ شرع و صاحب کردار تھے۔ عوام الناس میں آپ کے لیے جو عزت و احترام کا جذبہ تھا۔ جس طرح تعظیم و تکریم کی جاتی تھی۔ اس سے آپ کے ملنسار، منکسر المزاج، با اخلاق، زندہ دل اور شگفتہ مزاج ہونے کا پتا چلتا ہے۔ آپ یار باش تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں، دوست احباب اور شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔

سراج کا شمار ان خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جن کو مخلص باوفا دوست ملے۔ عبدالرسول خاں برادر طریق جیسے دیرینہ و دمساز ساتھی کی رفاقت ملی۔ ضیاء الدین پروانہ جیسے رفیق کار کہ جنھوں نے سراج سے اپنی گہری عقیدت و محبت کی گہری وابستگی کے تعلق کے اظہار کے لیے اپنا تخلص پروانہ اختیار کیا۔ انھیں شاہ تاج الدین، نعمت اللہ خاں، بہادر تہور جنگ، محمد رضا بیگ، غلام علی آزاد بلگرامی، ذکا اللہ بلگرامی جیسے مخلص ہمدرد رفقائے کار کی صحبت میسر تھی۔ ان میں عبدالرسول خاں، شاہ تاج الدین اور ضیاء الدین پروانہ آپ کے نہایت مخلص وفا شعار ہر دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ سراج کے ان رفقائے کار کے نام لکھے گئے فارسی خطوط ان کے گہری دوستی، محبت و احترام کو ظاہر کرتے ہیں۔

سراج نے شادی نہیں کی۔(۳۳) تجرد کی زندگی بسر کی۔ ان کی خودنوشت دیباچہ ''منتخب دیوانہا'' اور پروانہ کی تصنیف ''انوارالسراج''، میں بھی ان کی شادی کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ دوستوں کے نام تحریر خطوط بھی ان کے شادی شدہ ہونے کی تائید نہیں کرتے۔ ان خطوط میں تنہائی کا ذکر ملتا ہے۔ پروانہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

فقیر دریں کلبہ'' تنہا ست مگر دو خدمت گاراں برائے خدمت ضروری نوکراند۔(۳۴)

سراج اپنے دوستوں احباب کو اپنے حالات، دکھ، بیماری، بڑھاپے اور آخری عمر کی تکالیف کو خطوط کے ذریعے آگاہ کرتے اور وہ خطوط کے ذریعے سراج کی دل جوئی اور مالی اعانت کرتے۔ پروانہ نے تو ان کی مسلسل بیماری و کمزوری، تنہائی کے باعث اپنی ملازمت کو خیر باد کہا اور سراج کے پاس چلے آئے۔(۳۵) ہر طرح سے ان کی دل جوئی کی، خیال رکھا، بعدِ وفات ان کے تکیے میں ہی تدفین عمل میں آئی(۳۶) اور سراج کے مقبرے کو پختہ بنوایا۔

ان وفا شعار دوستوں میں سراج کا یک بے وفا باغی مرید شاہ چراغ بھی تھا۔ سراج کو شاہ چراغ سے گہری انسیت تھی۔ مگر وہ موقع پرست شخص تھا۔ اس نے سراج کی پُرخلوص محبت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف جدائی و بے مروتی کے دکھ دیے۔ خطوط میں سراج انھیں اپنے پاس بلاتے رہے۔ نہیں آئے۔ بعد وفات سراج کے تکیے پر قبضہ کر کے اپنی پیری مریدی کے سلسلے کو چمکایا۔ سراج کے مرید ہونے کے ناطے دولت و ناموری کمائی۔ آج بھی سراج کا تکیہ شاہ چراغ کے تکیے کے نام سے مشہور ہے۔(۳۷)

ملازمت:

سراج نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا، صرف قاقشال نے ان کے سپاہی پیشہ ہونے کا ذکر اپنے تذکرہ ''تحفۃ الشعرا'' میں ان الفاظ میں کیا:

از ابتدا در سلک سپاہیاں نوکری می کرد۔ الحال ترکِ روزگار کردہ۔ (۳۸)

سراج کے ہم عصر تذکرہ نویس اور مرید خاص پروانہ نے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ ''تحفۃ الشعرا'' کے دوسرے نسخے ۱۲۶ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میں یہ عبارت نہیں ہے۔ کسی نے بھی ان کے سپاہی پیشہ ہونے کا ذکر نہیں کیا۔(۳۹) ''سلک سپاہیاں'' ہونے کی ایک توجیہہ یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ کیوں کہ سراج کا لشکر میں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ عبدالرسول خاں کا تعلق لشکر سے تھا۔ سراج کے عبدالرسول سے محبت کے برادرانہ تعلقات تھے جو لشکر میں آمد و رفت کا سبب تھے۔ سراج کبھی کبھار لشکر میں عبدالرسول کے ہاں قیام بھی کرلیا کرتے تھے جس کی وجہ سے قاقشال کو مغالطہ ہوا کہ وہ یہاں سپاہی پیشہ تھے۔ سراج کے سپاہی پیشہ ہونے کی ایک توجیہہ عبدالقادر سروری نے یہ پیش کی کہ:

یہ بھی احتمال ہے کہ سراج سے عین پہلے میر فخر الدین اورنگ آبادی کے حالات منقول ہیں۔ سراج کی طرح ان کے متعلق بھی لکھا گیا ہے کہ آغاز شباب میں وہ سپاہیاں میں ملازم تھے۔ کچھ عرصے کے بعد بحکم ''الفقر فخری'' مسند فقر پر جا گزیں ہوئے۔ ممکن ہے کہ کسی کاتب کی سہو کی وجہ سے میر فخر الدین کے حالات اور سراج کے حالات خلط ملط ہو گئے ہوں۔ ان دو نسخوں میں آگے بھی اس طرح کے اختلافات ہیں۔ (۴۰)

یہاں عبدالقادر سروری کا استدلال قرینِ قیاس ہے، کیوں کہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مخطوطات میں کم سواد کاتب حضرات اس طرح کا تصرف کر جاتے ہیں۔ رسالہ ''لسان الملک'' میں ظفر یاب خاں نے سراج پر لکھے گئے مضمون میں ایک ناقابلِ فہم تاویل پیش کی ہے کہ:

ایک سپاہی پیشے سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اپنے پیشے کی انجام دہی کے بعد وہ ایسا لا جواب اور پر از معرفت و تصوف دیوان ترتیب دے سکے۔ (۴۱)

ظفر یاب کا یہ استدلال غیر منطقی ہے۔ ہرگز قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ ہمارے سامنے اردو اور فارسی شعرا کی مثالیں موجود ہیں کہ سپاہی پیشہ ہونے کے باوجود یہ شعرا صوفی منش بلند پایہ گزرے ہیں۔ مثلاً امیر خسرو، خواجہ حسن علامہ سنجری، میر تقی میر اور غالب جیسے معتبر نام شامل ہیں۔

پس سراج کے سپاہی پیشہ ہونے کا قاقشال کا ''تحفۃ الشعرا'' کا مخطوطہ نمبر ۱۰ کا بیان مشکوک ہے۔ سراج کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2519-6332 (Online)

زندگی، اس کی شخصیت، تربیت، ماحول اور مزاج ہمارے سامنے آئینے کی طرح عیاں ہے۔ اس کے مزاج کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مادی ضروریات اور وسائل کو انھوں نے کبھی اہمیت نہیں دی۔ سراج راضی بہ رضا رہنے والے قناعت پسند شخص تھے۔ ان کی ضروریات محدود نام و نمود اور آسائش سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ دنیادار نہیں بلکہ دین دار درویش صفت انسان تھے۔ سراج کی زندگی صبر و رضا، توکل اور قناعت میں بسر ہوئی۔ دنیا داری سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ مال و دولت اور آسائش بے معنی تھیں۔ اپنے مزاج کے بارے میں خود سراج کا کہنا ہے:

در ہمہ چہ خوشی و چہ ملال راضی برضا داشتہ۔(۴۲)

سراج ہر حالت میں راضی بہ رضا رہنے کا گر جانتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سراج کے لیے ایسے مواقع پیدا کیے، وسیلے بنائے کہ کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہیں آئی۔ اورنگ آباد اور اس کے اطراف و جوانب میں ان کے بے شمار عقیدت مند، مرید اور شاگردان سے گہری محبت رکھتے ان کی خوشنودی و خدمت گزاری کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ ان میں خواجہ عنایت اللہ فتوت، ابوالبرکات عشرت، مرزا محمد خاں نثار، مرزا عطا ضیا، سید حامد یار خاں ارسلان جنگ برادر آصف جاہ جیسے جاں نثار مخلص لوگ شامل تھے۔ پروانہ ہر دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ ان کی مالی اعانت بھی کرتے رہتے تھے۔ جس کی شہادت سراج کے پروانہ کے نام لکھے ایک خط سے ہوتی ہے۔ جس میں پروانہ کی بھیجی ہوئی رقم کی رسید کے طور پر سراج نے انھیں خط میں لکھا ہے کہ:

خط مرسولہ مع ہندوے مبلغ دوصد روپیا کہ نصف آں یکصد روپیا شد از دوکان بھوکن جی ساہوکار رسید خاطر جمع باید داشت۔(۴۳)

سراج کے دوست احباب، مرید اور عقیدت مند ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ضروریات زندگی محدود تھیں۔ دنیاداری سے رغبت نہ تھی۔ اپنی تمام عمر یادِ الٰہی میں بسر کی۔ کبھی وسیلۂ معاش کی فکر نہ ہوئی، اور نہ ہی انھیں کسی دولت کے حصول کے لیے کسی امیر کے دامن فیض سے وابستہ ہونے کا خیال آیا۔ دنیاوی جاہ و حشمت کی کبھی تمنا نہ کی۔ ان کے سامنے ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ انھیں بغیر کسی خواہش کے ہی بہت کچھ ملا، اور جو کچھ ملا، وہ راہِ خدا میں بانٹ دیا۔

تعلیم و تربیت:

سراج صوفی منش درویش صفت انسان تھے۔ والدین نے ان کی ابتدا ہی سے تربیت دینی تعلیمات اور اخلاقِ حسنہ پر کی۔ گھر کے ماحول، تربیت اور موروثی خصائل نے ان کے اخلاق و کردار اور سیرت میں وہ اوصافِ حمیدہ پیدا کیے جو آگے چل کر انھیں ایک صوفی پاکباز، صاحبِ طریقت بنا گئے۔ انھیں زندگی ہی میں نہایت عزت و احترام اور عقیدت و

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بزرگی کا بلند درجہ و مقام حاصل ہو گیا تھا، جو بہت کم خوش نصیبوں کو زندگی میں ملتا ہے۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ والد سید درویش ایک صوفی درویش اسمِ بہ مسمّٰی تھے۔ ان کا پیشہ معلمی تھا۔ لہٰذا انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کی، انھیں علوم ظاہری و باطنی سے آگاہی بخشی۔ سراج کی ابتدائی تعلیم کا یہ سلسلہ بارہ برس کی عمر تک جاری رہا۔ ''تحفۃ الشعرا'' میں قاقشال لکھتے ہیں کہ:

سید صحیح النسب است امدادش از مشائخ بودہ اند۔ تا عمر دروازدہ سالگی بزرگان اور بقید نوشتن و خواندن داشتند۔ (۴۴)

سراج کی تعلیم کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا، کیوں کہ بارہ سال کی عمر میں وحشت و دیوانگی نے اپنے سحر میں جکڑ لیا، جس کے باعث انھیں مروّجہ کتبِ درسیہ اور علوم ظاہری پر عبور حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ انھوں نے بہ مشکل سات، آٹھ سال میں علومِ متداولہ کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی کہ جنون و دیوانگی نے غلبہ کیا۔ دیوانگی کے باعث وہ مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ سات آٹھ سال کی مدت ہرگز اس قابل نہیں کہ دنیاوی علوم کو کسبِ کمال تک پہنچانے کے لیے کافی ہو۔ قسّامِ ازل نے ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا کہ سکون و اطمینان سے حصولِ علم نہ کر سکیں۔ روح میں سرشاری کی کیفیت اور مزاج میں وارفتگی و درویشی کے جوہر پوشیدہ تھے۔ موروثی اثرات اور روح میں حلول آشفتگی نے انھیں درویش و شاعر بنا دیا۔ چناں چہ کتبِ درسیہ کی تعلیم نامکمل ہونے کے باوجود انھیں یہ وصفِ ربّی عطا ہوا کہ ان کی تخلیقاتِ شعری داخلِ درس ہوئیں۔ وہ بارہ سال کی عمر تک التزام کے ساتھ متداولہ علوم کی تحصیل میں مصروف رہے۔

سراج کو فارسی ادب اور شاعری سے غیر معمولی دل چسپی تھی۔ لہٰذا اسی مختصر عرصے میں انھوں نے تمام مشہور اساتذہ کا کلام پڑھ لیا۔ نہ صرف پڑھ لیا بلکہ اپنی روح کے اندر جذب کر لیا تھا۔ (۴۵) بارھویں سال جب ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی تو اضطراری طور پر فارسی اشعار زبان سے جاری ہوئے۔ عالم بےخودی میں بے اختیار زبان سے فارسی اشعار جاری ہونے کی اپنی اس کیفیت کو انھوں نے ''منتخب دیوانہا'' کے دیباچے میں بیان کیا ہے:

بعد اقتضاے حال خامہ را بہ تحریر آں آشنائی ساخت، اطاناً شوقمندے حاضر الوقت بود و بجہت حلاوت ذائقہ طبع خود، کاغذ را سیاہ می نمود، اگر آں اشعار تحریری می آید، دیوانش ضخیم ترتیب می یافت۔ چوں تقضاے عمر قابل آں ہمہ سخن سنجیہا نبود، باستماع موزوناتِ حالی، عالمے در ورطہ تعجب می افتاد داز جملۂ اهتمامات بتصوری آورد۔ (۴۶)

سراج کہتے ہیں کہ اس حالتِ کیف و سرمستی میں انھوں نے اضطراری حالت میں فارسی کے شعر کہے، اگر کوئی

انھیں تحریر کر لیتا تو وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ایک ضخیم دیوانِ فارسی مرتب ہو جاتا۔ ان کے دیکھنے سے عالم کو تعجب ہوتا اور ان کو الہامات تصور کرتے۔(۴۷) افسوس یہ کلام یوں ہی ضائع ہو گیا۔ حالتِ اضطراب و جنون میں اضافہ ہوا۔ حالتِ دیوانگی ۱۱۳۶ھ میں طاری ہوئی جو سات سال جاری رہی۔ ۱۱۴۳ھ میں وہ اس کیفیت سے نکل کر ہوش و خرد کی دنیا میں لوٹتے ہیں تو انھیں صاحب باطن بزرگوں فقیروں کی صحبت کی خواہش ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ جذب و جنون کی حالت میں علم و عرفاں اور راہِ سلوک کی منازل سے آشنا ہو چکے تھے۔ انھیں ایک رہبرِ کامل کی تلاش تھی اسی تلاش و جستجو میں انھیں شاہ عبدالرحمان چشتیؒ جیسے پیر و مرشد مل گئے۔ اس کا احوال سراج نے دیباچہ ''منتخب دیوانہا'' میں یوں بیان کیا ہے:

> بعد انقضاے مدت مذکورہ تلاش لذت تحقیق محرک رگ جاں گردید تا بآں وساطت بجناب حامئ شریعت عزّی، سالک طریقت الاخفیٰ، واقف حقیقت المولیٰ عارف معرفت الکبریٰ قبلہ مریدان راسخ الیقین و صاحب الایمان، کعبہ مستفیضان کامل الصدق و ثابت البرہان حضرت خواجہ سید شاہ عبدالرحمٰن چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کہ وصالِ مقدسش در سنہ احدی و ستین دمایہ و الف ۱۱۶۱ھ اتفاق افتاد۔ مستقر ارادت گشتہ، فیض یاب ارشاد گردید و جرعۂ از بزم عنایت آں ساقئ شراب ہدایت، موافق حوصلہ خود چشید۔(۴۸)

حضرت عبدالرحمٰن چشتی کا شمار اورنگ آباد کے صاحبِ کمال بزرگوں میں ہوتا تھا۔ ان کا تعلق چشتیہ گھرانے سے تھا۔ سراج نے انھیں بڑی تلاش و جستجو کے بعد اپنا دنیوی اور دینی رہبری کے لیے منتخب کیا تھا۔ سراج ۱۱۴۳ھ میں ان کے مرید ہوئے (اسی سال برادر طریق عبدالرسول خاں کی تحریک پر اردو میں شعر گوئی کا آغاز کیا)۔ سراج کا عبدالرحمان چشتیؒ کو اپنا پیر و مرشد منتخب کرنا ان کے رہبرِ کامل ہونے، ان کی روحانی و باطنی قوتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ سراج پر ان کے فیضان کا بڑا گہرا اثر پڑا۔

تصوف سے دل چسپی:

سراج عبدالرحمان چشتیؒ کے ۱۱۴۳ھ میں مرید ہوئے۔ ان کے فیضانِ نظر سے اپنی پیاسی روح کو سیراب کیا۔ ان کی رہبری میں علم و عرفان اور سلوک کی منازل کو اپنے ذوقِ وجدان اور موروثیت کے باعث تیزی سے طے کیا۔ چوں کہ خانوادے کا تعلق بھی صوفیا سے تھا۔ خود صوفی درویش تھے۔ لہٰذا مرشد کی صحبت نے ان کی صلاحیتوں کو مزید جِلا بخشی۔ وہ عالم ظاہر کے پرستار نہ تھے۔ روح کے اضطراب، تجسس اور مزاج کی کیفیاتِ عشق نے ان پر جذب و مستی کی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

سرشاری طاری کرکے راہِ حق کی طرف گامزن کیا۔ یہ درس انھیں کسی مکتب یا مدرسے سے نہیں مل سکتا تھا۔ ان کی روح کا اضطراب ہی درحقیقت اسرارِ غیبی سے پردہ اٹھانے کی شائق تھا۔ ''نگاہِ درویش'' نے ان کی ذات پر رموزِ روحانی کو منکشف کر دیا تھا۔ انھیں کمالِ جذب سے آشنا کیا۔(۴۹) یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں آگ سے زیادہ گرمی اور سیماب سے زیادہ اضطراب تھا۔ وہ ''عالم ناآشنا'' سے آشنا ہوئے۔ اسرارِ ربّانی سے آگہی حاصل کرنے کی دُھن نے انھیں خود سے بیگانہ اور سارے جہاں سے بے تعلق کر دیا تھا۔

انھیں جس مرشد کامل کی تلاش تھی عبدالرحمان چشتیؒ جیسی برگزیدہ ہستی کی صورت میں مل گئے جن کی رہنمائی اور روحانی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔ مرشد کی بھرپور توجہ، شفقت و تربیت کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں ان کا شمار بھی بزرگانِ دین میں ہونے لگا۔ اپنی اضطرابی کیفیت اور رہبر کامل کی تلاش نے انھیں تسکین قلب عطا کی۔ مرشد کی تلاش اور اپنی اضطرابی کیفیت کو ''منتخب دیوانہا'' میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

بعد انقضاے مدت مسطورہ، تلاش لذت تحقیق محرک رگِ جاں گردید۔(۵۰)

سراج کا اپنے مرشد کا انتخاب درست تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ خود مرشد کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انھیں ۱۱۵۲ھ میں ترک شاعری کا حکم ملا اور خلافت عطا کی گئی۔ اس بارے میں سراج کا کہنا ہے کہ:

فقیر بعد چندے بہ لباسِ فاخرہ الفقر فخری ممتاز گردید۔(۵۱)

سراج نے اپنے پیر و مرشد سے خلافت ملنے کے بعد ترکِ دنیا کرتے ہوئے گوشہ نشینی اختیار کی۔ خود کو مرشد کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ راہِ حق کے متلاشی اپنے مریدوں اور شاگردوں کی رہنمائی کرنے لگے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں متعدد بار اپنی غزلوں کے تخلص میں اپنے مرشد کو جس عقیدت و احترام سے یاد کیا۔ ان کے احساسات و جذبات مترشح ہیں۔

شکرِ رحماں کر کہ توں واصل ہوا   یار کا دیدار پا کر اے سراج(۵۲)
شمعِ دل روشن ہے فیضِ شاہِ رحماں کے طفیل   مثلِ سوزِ شمع ہر منزل ہوئی میری سراج(۵۳)

تصوف میں معرفتِ الٰہی کا حصول عشقِ حقیقی کے بغیر ممکن نہیں۔ محبت کا جذبہ دنیاوی رشتوں میں ادنا اور عشق کا جذبہ وارفتگی اس کی معراج ہے۔ یہ صوفیا کا مسلک ہے۔ صوفی ہونے کے ناطے سراج بھی اسی مسلک کے پیروکار تھے۔ وہ سرتاپا صوفی اور عشقِ حقیقی کے شاعر تھے۔ عشق کا جذبہ، تجلیاتِ الٰہی، وحدت الوجود و شہود کا ظہور ان کی ساری شاعری اسی احساسات و وارداتِ قلبیہ کا اظہار ہے۔ اسی جذبۂ عشق کی تصوف سے دل چسپی نے تربیت کی۔ مقصودِ گوہر کی تلاش نے عشق کی منزل کا پتا بتایا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عشق:

سراج، صاحب جمال، حسن پرست، جذبۂ عشق سے سرشار، راہِ سلوک پر چلنے والے، علم و عرفاں کے متلاشی اس مضطرب و بے قرار روح کا نام ہے، جو عشق کے شدید غلبے کے حصار میں مقید ہے۔ جس کے وجود کا انگ انگ کیفیاتِ عشقِ الٰہی کی محبت میں گرفتاری کا احوال بتا رہا ہے۔ صوفی شاعر ہونے کے باوصف ان کا دل عشقِ الٰہی کی محبت سے سرشار ہے۔ سراج کی زندگی عشق و محبت اور شعر و سخن کی زندگی تھی۔[۵۴] عشقِ حقیقی کی ابتدائی منازل کا آغاز عشقِ مجازی سے ہوتا ہے۔ مجاز سے دل لگائے بغیر کسی عاشق کا صوفی کا حقیقت تک پہنچنا محال ہے۔

گر حقیقت کی سیر ہے خواہش
راہِ عشقِ مجاز لازم ہے[۵۵]

تصوف سراج کی زندگی تھا۔ جس نے ان کی روح کو نکھارا، نفس کو پاکیزگی عطا کی۔ سراج کی شاعری دراصل اسی فکر و نظر کی پاکیزگی اور عطاے ربِّ جلیل ہے۔ ان کے ہاں عشق محض ایک فلسفیانہ نظریہ نہیں، بلکہ زندگی کا لائحہ عمل ہے۔ اسی لیے ان کی فکرِ عالی نے رموزِ عشق کا اس طرح اظہار کیا کہ وہ ان کا مقصدِ حیات بن گیا۔ سراج کی ذات تصوف و شاعری کا حسین امتزاج ہے۔ تصوف و شاعری ان کے مزاج، سیرت و کردار میں اس طرح رچ بس گئیں کہ انھیں علاحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ سراج کو محض صوفی سمجھنا بھی غلط ہے اور صرف شاعر تسلیم کرنا بھی درست نہیں، کیوں کہ تصوف و شاعری دونوں ہی ان کی ذات کا جزوِ لاینفک بن چکے ہیں۔ وہ صرف ''صوفی'' یا ''شاعر'' نہیں، بلکہ حقیقتاً و واقعتا ''صوفی شاعر'' ہیں:

اور عاشقوں مثال مجھے تم نہ بوجھیو
سب مبتلائے عام ہیں میں مبتلائے خاص[۵۶]

سراج کی شاعری میں صوفی ازم شعریت کے حسن کو دباتا نہیں، بلکہ شعری محاسن اور لطفِ حسن و بیاں سے ایک نئی دنیا معنی کی سیر کراتا ہے۔

صنم ہزار ہوا تو وہی صنم کا صنم
کہ اصل ہستیٔ نابود ہے عدم کا عدم[۵۷]

سراج کا عشق، عشقِ حقیقی کے بیان کے باوصف پاکیزگیٔ خیالات و جذبات کا حسین مرقع نظر آتا ہے، جو روح کی بالیدگی و سرشاری کا سبب بنتا ہے۔ ان کا عشق بوالہوسی و سفلی جذبات کے اظہار کا نام نہیں جو بے راہ روی و فحش کلامی کے زمرے میں آتا ہو۔ بلکہ ان کے ہاں تو عشق، عشقِ حقیقی کی دبیز چادر اوڑھے حسنِ بیان و حسنِ لطافت و شائستگی میں لپٹا اس جذبۂ اظہار کا نام ہے جس میں اسرار و رموزِ کائنات کا بیان ہوا ہے اور معرفتِ الٰہی سے قربت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نظر کر دیکھ ہر شے مظہرِ نورِ الٰہی ہے
سراج اب دیدۂ دل میں صمد دیکھا صنم بھولا(۵۸)

سراج کی زندگی عام سطح سے بلند تھی۔ اس لیے وہ نہ صرف اپنے اپنے زمانے میں نمایاں رہے، بلکہ ہر زمانے میں نمایاں رہے۔ عشق ومحبت کا جذبہ سرشت میں تھا۔ مطمع نظر اور تسکینِ روح و جاں تھا،سوز و ساز زندگی تھا۔ عشق ومحبت کا سوز وساز زندگی اور شعر و سخن کی زندگی میں بے حد قرب ہے۔ کہتے ہیں:

سراج یوں مجھے استادِ مہرباں نے کہا
کہ علمِ عشق میں بہتر نہیں ہے اور علوم(۵۹)

محبت کے معاملے میں سراج کا عقیدہ غیر متزلزل تھا۔ جس کا اظہار انھوں نے کچھ یوں کیا:

ہر گز نہیں ہے اس کوں حقیقت کی چاشنی
جس نے مزہ چکھا نہیں عشقِ مجاز کا(۶۰)

سراج نے عشق کے جذبۂ لافانی کو جہاں عشقِ حقیقی اور تصوف کے معاملات میں بیان کیا وہاں عاشقانہ رنگ میں عشقِ مجازی کی بھی شاعری کی جو سراج کے محبت بھرے دل اور حسن پسند طبیعت کا مظہر تھی۔ ان کی یہ عشقیہ شاعری بھی مشاہدۂ حسنِ فطرت کا حسین مرقع ہے جس میں ترنم، نغمگی، تشبیہ و استعارے کی برجستگی و بے ساختگی کے ساتھ ساتھ ندرتِ خیال، تلمیحات، علمِ بدیع، لفظیات و دیگر تمام شعری محاسن بڑی بے ساختگی کے ساتھ استعمال ہوئے سراج لفظیات سازی کے بادشاہ گر ہیں۔ الفاظ وتراکیب نے شعر کی معنویت حسن ورعنائی کو دوآتشہ کر دیا۔ شعر کی شعریت، حسنِ معنی کی بلاغت میں ڈھل جاتی ہے۔

رخسارِ یار حلقۂ کا گُل میں ہے عیاں یا چاند ہے سراج اماوس کی رات کا(۶۱)
کہو اس لالۂ گلزارِ جاں کوں کبھی تو دیکھ داغِ دل کسی کا(۶۲)
ادائے دل فریبِ سروِ قامت قیامت ہے قیامت ہے، قیامت(۶۳)
اثر ہے دردِ جگر کا مرے سخن میں سراج عجب نہیں ہے اگر ہوئے یار کوں مرغوب(۶۴)

یہاں سراج کا تصورِ عشق مجازی ہے۔ جذبۂ عشق کا ابلاغ ان کے یاں شدت کے ساتھ کھل کر ہوا ہے۔ سراج کا محبوب زندہ جیتا جاگتا گوشت پوست کا انسان ہے۔ ان کا یہ کہنا محض شاعرانہ تعلیٰ نہیں کہ:

اے جانِ سراج ایک غزل درد کی سن جا
مجموعۂ احوال ہے دیوان ہمارا(۶۵)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عشق سراج کی زندگی کا حاصل اور متاعِ حیات ہے۔ چاہے وہ عشقِ حقیقی کے روپ میں ہو یا مجازی۔ عشق اپنے تمام تر لوازمۂ حیات کے ساتھ ان کی زندگی میں شامل رہا سراج کی زندگی میں اس عشق کی کیفیات جو دیوانگی اور فرزانگی کی صورت میں رونما ہوئیں، جن کے گہرے اثرات ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔

دیوانگی:

سراج مزاج کے اعتبار سے پاک طینت و پاکباز صوفی شاعر تھے۔ ان کی شاعری اور سوچ کا محور صوفیانہ نظریات وخیالات رہے۔ صوفیانہ طرزِ فکر کے باعث باطن کی صفائی و پاکیزگیٔ قلب ہمیشہ ان کا مطمعِ نظر رہا۔ صوفیانہ طرز زندگی گزارنے کے باوصف سراج جن لطافتوں، مسرتوں اور روح کی بالیدگی سے آشنا ہوئے ان کا اظہار الفاظ میں کرنا ممکن نہیں رہا تو اس کی اشاروں کی زبان میں ترجمانی کی۔ اس بارے میں سراج کا کہنا ہے کہ:

تجہ عشق کی آتش میں کوئی بے خطر آیا ‏ ‏ ‏ ‏ بے خطر اسے روضۂ رضواں ہے میسر (۶۶)
وو پادشاہ بارگہے کبریا ہوا ‏ ‏ ‏ ‏ بیٹھا ہے تختِ شوق پہ جو ہو کے بے ریا (۶۷)

اس سے زیادہ کے اظہار کی ان میں جسارت نہ تھی۔ تاہم سراج حتی المقدور اپنے مسلک اور اس کے حسن سے دوسروں کو واقف کراتے ہیں ان کی شاعری میں اس نوع کے اشعار محض قافیہ پیمائی نہیں، بلکہ حقیقت بیانی کے مظہر ہیں۔ وہ اپنی حالتِ جذب وجنوں اور دیوانگی میں بھی بے خودی پر بڑے نازاں وفرحاں ہیں۔ جب ہی تو بے اختیار کہہ گئے ہیں:

جو ہوا ہے بے خودی کے جام میں سرشارِ عشق ‏ ‏ ‏ ‏ بے خبر ہے محفلِ کونین سیں مثلِ سراج (۶۸)
شغل جاری رکھ ہر اک دم میں ھوالرحمان کا ‏ ‏ ‏ ‏ اے سراج اپنی خودی کوں بے خودی میں محو کر (۶۹)
غوّاصِ عقل و ہوش کوں واں بھول چوک ہے ‏ ‏ ‏ ‏ دریاے بے خودی کوں نہیں انتہا سراج (۷۰)

سراج کے ہاں اس عالمِ سرمستی وسرشاری میں جب بے خودی وجنوں کی عمل داری قائم ہوتی ہے تو پھر عقل وخرد کے سارے مباحث بے معنی ہو جاتے ہیں، کیوں کہ صاحبِ جذب تو عالمِ کیف میں دنیا اور معاشرے کے تمام قیود و ضوابط سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ سراج کہتا ہے:

کیا ہے جب سیں عمل بے خودی کے حاکم نے
خورِ نگر کی رعیت ہوئی ہے رو بہ گریز (۷۱)

سراج اپنی زندگی میں عقل و ہوش اور عشق و جذب کو آزما چکے تھے۔ ان معاملات پر جب وہ اظہار خیال کرتے ہیں تو وہ دراصل اپنی زندگی کا نچوڑ پیش کرتے ہیں، کیوں کہ انھیں اپنی حقیقت کا علم تھا۔ وہ دیوانگی کی کیفیاتِ اسرار سے

واقف تھے۔ جب ہی عالمِ اضطراب اور جذبۂ بےخودی سے سرشار پکار اٹھتے ہیں:

دل کوں اب دامنِ صحرائے جنوں یاد آیا عقل کے دام میں اس صیدِ گرفتار کوں کھول[۷۲]
وحشیٔ دشتِ بے خودی سے سراج گرچہ عالم کے نزد شہری ہے[۷۳]

ہماری شاعری میں عام طور پر دشتِ جنوں کی خاک چھاننے کو ہی عالمِ دیوانگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حالت کو کیفیت مستی کا نام دیا جاتا ہے۔ سراج اس حالتِ جذب وکیف کو بےخودی اور مستی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو ہوش و خرد اور پندارِ ہستی کی ضد ہے۔ سراج کیوں کہ عالمِ جذب میں زندگی گزار کر اس کی رفعتوں سے آشنا ہو چکے تھے۔ اسی لیے جب وہ کہتے ہیں کہ پندارِ ہستی کے بتوں کو توڑ کر شہ بےخودی سے خلعتِ برہنگی پا لینا اصل اعزاز ہے تو اسے ایک شاعرانہ خیال کہہ کر مسترد نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ زندگی کی حقیقت کی طرح فطری حقیقت تصور کرتے ہیں۔ سراج کا کہنا ہے:

پندارِ ہستی سیں وہمی خیالوں نے کثرت کی تہمت لگائے ہیں ناحق
دراصل میں جوش طوفانِ وحدت ہے جیوں موج دریا امنگوں میں رہیے[۷۴]

سراج نے شاعری میں زندگی کے بارے میں وہی رویہ اختیار کیا، جو انھوں نے اپنی روزمرہ زندگی میں اختیار کیا تھا۔ ان کے نزدیک عقل و ہوش سے بیگانگی عشق کی شرطِ اولیں ہے۔ جو خرد کو درد کا ''آشنائے خاص'' بنا دے۔ بس اس سے تکمیل ذات ہوتی ہے۔

کیا بلا کا ہے نشہ عشق کے پیمانے میں کوئی ہوشیار نہیں عقل کے کاشانے میں[۷۵]
جنوں کے شہر میں نئیں کم عیار کوں حرمت میں نقدِ قلب کوں کانٹے میں دل کے تول چکا[۷۶]
ربع مسکون چار عنصر میں کار فرمائے بے خودی دل ہے[۷۷]
لائقِ پیرہنِ فقر ہیں آئینۂ دلاں تیرہ دل کب ہے سزا وار نمد پوشی کا[۷۸]

غرض بارہ سال کی نوعمری میں ہی جذب وجنوں کی کیفیات سے آشنا ہوئے۔ سات اسی دیوانگی وجنوں میں بسر کیا۔ وہ اسرارِ کائنات اور زندگی کی حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے۔ ان کی دیوانگی ہوش وخرد سے بیگانگی نہیں، بلکہ وہ تو آشنائے رازِ کائنات سے باخبری کی دلیل ہے۔ اس دیوانگی میں بھی عقل وخرد کی جلوہ گری ہے۔ جسے فرزانگی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فرزانگی:

فرزانگی نام ہے ہوش مندی، عقل و دانش کا کہ جس میں جذبہ اور تعقل انسان کے اوصافِ حمیدہ میں دو ممتاز اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ مشاہدہ اور عام تجربہ یہی بتاتا ہے کہ یہ دونوں یعنی جذبہ، عشق، جنوں و دیوانگی اپنے مترادفات میں، عقل، علم، خبر، تخمین وظن اور فلسفہ وحکمت عقل کے مترادفات ہیں۔ عقل ایک خداداد نعمت ہے، لیکن اس کی کچھ حدود ہیں۔ ان حدود کے باہر عقل کے تمام دعوے لا حاصل اور لایعنی ہو جاتے ہیں، (۷۹) کیوں کہ عقل کی رسائی صرف خارجی دنیا تک محدود ہے اور صرف ان ہی اشیا کا ادراک اس کے بس کی بات ہے جو حواس خمسہ کی دسترس میں ہیں۔ اسے حواسِ باطنی کا شعور نہیں ہوتا۔ تذبذب وتشکیل اور سود وزیاں کا خیال اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اسی لیے تو عقل ہر مسئلے میں کیا، کیوں، کیسے، کہاں، کس لیے، جیسے سوالات اٹھاتی ہے اور ان جوابات کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عقل حقیقت شناسی کے جوہر سے محروم رہتی ہے۔ جب کہ جذب، جنوں، دیوانگی، عشق کے ساتھی ہیں۔ وہ عقل کی طرح سود وزیاں کے چکر میں نہیں پڑتے، بلکہ یقین واتحاد کی رہنمائی میں اصل حقیقت تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ (۸۰)

عشق کی کامرانیوں اور بلند حوصلگی کا عقل کی گہرائیوں اور نارسائیوں کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں۔ جہاں عشق کی حکمرانی ہے، وہاں پہنچتے ہوئے عقل کے پر جلتے ہیں، کیوں کہ جن حقائقِ ذات وکائنات سے انساں عشق وجنون کے ذریعے متعارف ہوتا ہے۔ عقل اس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ (۸۱)

عشق وعقل کے رتبہ ورشتہ کے تعین میں اقبال نے اپنی فکر رسا اور فلسفیانہ نظر کے ذریعے ایک نظریہ پیش کیا۔ وہ عقل وعشق کے معاملے میں دونوں کو متصادم ومتحارب قرار دیتے ہیں۔ اقبال عشق و وجدان کی فضیلت کے قائل ہیں، لیکن عقل کو قطعی اور مکمل طور پر مسترد نہیں کرتے۔ عقل نئے نئے نکتے پیدا کرسکتی ہے۔ موشگافیاں کرسکتی ہے، لیکن اس میں یہ صلاحیت قطعی نہیں کہ وہ اسباب کی پیچیدگیوں میں الجھ کر عرفاں تک پہنچ سکے۔

عشق وعقل کے موضوع پر جس اعتماد اور یقین سے اقبال نے اظہار کیا ہے۔ سراج اقبال سے بہت پہلے اس موضوع پر اظہارِ خیال کر چکے۔ سراج کے سوا یہ لہجہ اور تیقن کسی اور شاعر کے یاں نہیں ملتا۔ عقل وعشق کے موضوع پر دونوں بڑے شاعروں کے درمیان اظہارِ خیال کے باوجود بنیادی فرق بھی ملتا ہے۔ اقبال شخصیت کی تکمیل کے لیے عقل و عشق کے امتزاج کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (۸۲)

اقبال کے برخلاف سراج پاسبانِ عقل کے قائل ہی نہیں۔ وہ اسے یکسر مسترد کرتے ہیں۔ صوفی مشرب ہونے کے باوصف ان کی نظر میں عالمِ موجودات کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان کے نزدیک مادی علوم کا حصول عقل سے ان پر تصرف، اختراع، ایجاد کی کوشش، یہ سب ان کے مسلک کے اعتبار سے بے معنی ہیں۔ تصوف کے حوالے سے صوفیانہ عقائد کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

باعث وہ اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جس کا آغاز ہی ترک دنیا سے ہوتا ہے۔ وہ عقل کی تدبیروں کے مخالف جنوں کی کارفرمائیوں کے قائل ہیں۔ اس طرح سراج صرف اہلِ جذب اور اہلِ جنون کی حیثیت سے اپنا تشخص کروانا پسند کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بت کدۂ تصورات(۸۳)

یعنی اقبال عشق کو عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں خیال کرتے ہیں۔ جب کہ سراج کا زاویۂ نظر اقبال سے مختلف ہے۔ سراج کو تو عشق کا طوفاں عقل کو غرق آب کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جاں عشق کا طوفاں ہے کہ دیکھا ہوں میں اکثر
واں عقل کی کشتی کوں تباہی نظر آئی(۸۴)

سراج عشق کے مقابلے میں عقل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ کہتے ہیں:

معلوم ہوا عشق کے اطوار سیں یوں کر
مجھ عقل کی بنیاد کوں برباد کرے گا(۸۵)

سراج نے اپنے اشعار میں عقل و عشق کے معاملے میں عقل پر عشق کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی ہوتا ہے:

عشق اور عقل میں ہوئی ہے شرط جیت اور ہار کا تماشا ہے(۸۶)
جس نے تجھ عشق کی شراب پیا اس نے ہوش و خرد کوں بھولا ہے(۸۷)

وہ عجب گھڑی تھی میں جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جوں دھری تھی تو نہی دھری رہی(۸۸)

درجِ بالا آخری شعر ان کی مشہورِ زمانہ غزل سے لیا گیا ہے، جس نے پورے ہندوستان میں اپنی بے پناہ مقبولیت کے ایسے جھنڈے گاڑھے۔ اس غزل کو اتنی پذیرائی اور ایسی بے نظیر شہرت ملی جو آج تک کسی غزل کو حاصل نہ ہوسکی۔ ان کی آج بھی یہ غزل اتنی ہی مقبول ہے جتنی آج سے تین سو سال پہلے اٹھارھویں صدی میں مقبول تھی۔ جس نے سارے ہندوستان میں دھوم مچا رکھی تھی۔ اس غزل کا مطلع ہے:

خبرِ تحیّرِ عشق سُن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تَو تُو رہا نہ تَو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی(۸۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سراج کی یہ غزل اپنی معنویت پاکیزگیٔ خیال، عارفانہ نکات اور تحیّر کی جن کیفیات کا اظہار کرتی ہے یہ لہجہ و آہنگ اور انداز چونکا دینے والا ہے۔ پوری غزل میں انھوں نے سوز و گداز، وارفتگیٔ عشق اور تحیّر کو جس خوب صورتی سے بیان کیا ہے ایسی شاہکار، ندرتِ خیال، وحدتِ ادا کی تخلیق ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ کیوں کہ معرفت کے درجوں میں وہ مقامات بھی آئے ہیں جہاں اسرارِ ربانی کے صرف چند جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ روحِ انسانی اس کی تاب لانے کے قابل نہیں رہتی۔ تحیّر کا یہی وہ مقام ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلیاتِ الٰہی دیکھنے کی فرمائش کرتے اور غش کھا کر گر جاتے ہیں۔ تحیّر کی اس حالت یا کیفیت کو احاطۂ بیاں میں لانا محال ہے۔ سراج نے اس غزل میں علم و معرفت کا پردہ اٹھایا ہے۔ خاصے کی چیز ہے۔ اس میں بڑی معنویت ہے۔

سراج کی یہ غزل نہ صرف ان کے کلام بلکہ تمام شعرائے اردو کی شعری تخلیقات پر بھاری ہے۔ اس غزل نے وہ شہرتِ دوام حاصل کی کہ آج تک کسی کے کلام کو اس کے مقابلے میں ایسی پذیرائی نصیب نہ ہوسکی۔ اب سراج کی ترکِ شاعری کی وجوہ اور شاعرانہ شعری سرمایہ کا جائزہ لینا مناسب ہے تاکہ دنیائے ادب میں ان کے شاعرانہ مرتبے کا تعین کرنے میں کسی قسم کی شکوک وشبہات باقی نہ رہیں۔

ترکِ شاعری:

سراج شعر گوئی کی خداداد صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کی روح میں اس فن کی نزاکتیں ربِ کائنات کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ ان کی شاعری اکتسابی نہیں وجدانی تھی۔ وہ فن شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔[۹۰] سراج کی شاعری ان کے فطری میلان، رجحان اور ذوقِ طبع کا نتیجہ تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں فطری و وجدانی شاعر تھے۔ دکن میں اس وقت تک شاگردی کا وہ سلسلہ جاری نہیں ہوا تھا جس کی ابتدا دہلی سے ہوئی۔ وجہی، غواصی، نصرتی، ابنِ نشاطی اور ولی کسی کے بارے میں نہیں معلوم کہ وہ کس استاد کے شاگرد تھے۔ سروری کا کہنا ہے کہ:

> حقیقت یہ ہے کہ سراج ویسے ہی فطری شاعر تھے، جیسے کہ ولؔی، میرؔ، غالبؔ، میر حسنؔ یا انیسؔ ہیں۔[۹۱]

میر نے اپنے تذکرے میں سراج کے بارے میں جو معلومات دیں بعد کے تذکرہ نگاروں نے دہرایا۔ میرؔ کہتے ہیں:

> سراج تخلص، در اورنگ آباد شنیدہ می شود، شاگرد سید حمزہ۔ اسمیں قدر راز بیاض سید مسطور مستفاد می گردد۔ سخن او خالی از مزہ نیست۔ از وست۔[۹۲]

میر نے سید عبدالولی عزلت کی بیاض سے استفادہ کیا۔ ان کی شاعری کو پر لطف پایا۔ ساتھ ہی سراج کے شاگرد حمزہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہونے کا پتا دیا۔ میر کے بعد تواتر سے مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے شاگرد حمزہ ہونے کو نقل کیا۔ میر حسن لکھتے ہیں:

از شاگردان سید حمزہ علی دکن (۹۳)

قدرت اللہ شوق نے بھی یہی لکھا کہ:

از شاگردان سید حمزہ (۹۴)

لالہ سری رام اس کی تائید کرتے ہیں:

سید حمزہ کے شاگردوں میں سے تھا۔ (۹۵)

سب تذکرہ نگاروں نے میر کی بات کو دوہرایا۔ تحقیق سے کام نہیں لیا۔ حالات و واقعات اور جدید تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ انھیں شعر گوئی کے فن کو سیکھنے کی مہلت نہیں ملی۔ ان کی شعر گوئی کی صلاحیت فطری تھی۔ دوسرے سراج کا تعلق جس دور سے ہے، اس زمانے میں استادی شاگردی کا کوئی باقاعدہ سلسلہ نہیں ملتا۔ تیسرے تمام تذکروں، تاریخ ادبیات اور محفوظ مخطوطات کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت اس نام کی کسی معتبر ہستی کا نام نہیں ملتا جو فن شاعری میں اس قدر ماہر ہو کہ جس سے سراج فیض حاصل کر سکیں۔ چوتھا اور اہم سبب جو میر کے بیان کی تردید کرتا ہے وہ خود اپنی حیات کے سلسلے میں ان کا تحریر کردہ ''منتخب دیوانہا'' کا دیباچہ ہے اور دوسرا ماخذ پروانہ کا تحریر کردہ ''انوارالسراج'' ہے۔ ان دونوں میں سراج کا حمزہ کا شاگرد ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔ (۹۶) پانچواں نکتہ حاکم لاہوری، قاقشال، شفیق جیسے احباب جو سراج سے شخصی طور پر واقف تھے انھوں نے بھی سراج کے کسی استاد کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ظفر یاب خاں سراج پر لکھے گئے اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں کہ:

عرب کا مشہور مقولہ الشعرا تلامذہ الرحمان ان پر صادق آتا ہے۔ (۹۷)

واضح ہوا سراج ایک تلمیذ الرحمان شاعر تھے۔ نوجوانی کے ابتدائی ایام میں جب وہ عالمِ جذب وجنوں میں گرفتار ہوئے۔ تب بھی اس عالمِ بےخودی میں ان کی زبان پر برجستہ و والہانہ فارسی اشعار جاری تھے۔ (۹۸) اس عالمِ اضطراب و وحشت میں بکثرت فارسی شعر کہے، جنھیں تحریر میں لانے کی نوبت نہ آسکی۔ دیباچہ ''منتخب دیوانہا'' میں سراج لکھتے ہیں:

ایں فقیر از سن دوازدہ سالگی، بغلبۂ شوق بجہت ہفت سال جامۂ جذبے برداشت و بہ تکلیف نشۂ بےخودی سوئے روضۂ متبرکہ حضرت برہان الدین غریب شبہا روزمی آورد۔ از جوش ہماں مستی اشعار شور انگیز و ابیات درد آمیز بہ زبان فارسی مکمن بعرصہ زباں می آید و باقتضاے احوال خامہ را بہ تحریر آں آشنائی ساخت، احیاناً شوق مندی حاضر الوقت حاضر می بود، بجہتہ حلاوتِ ذائقہ طبع خود کاغذ را سیاہ می نمود، اگر آں اشعار تمام تحریر می آید

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

دیوانے ضخیم ترتیب یافت۔ (۹۹)

سراج کے اس خودنوشت بیان سے واضح ہوتا ہے کہ عالمِ وحشت وجنوں میں انھوں نے بکثرت فارسی شعر کہے۔ ضابطۂ تحریر میں نہ آنے کی ایک بڑی وجہ ان کا عالمِ وحشت میں خود ہوش وخرد سے بیگانہ ہونا تھا۔لہٰذا وہ بے ساختہ زباں پر جاری اپنے اشعار کو تحریر میں لانے سے قاصر تھے۔ دوسری وجہ دیوانے کی بڑ سمجھ کر کسی نے ان اشعار کو قلم بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ دیوانگی کی حالت میں کہے جا رہے تھے۔ تیسری وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نوخیز نوجوانی کا عالم تھا، لا ابالی پن کی عمر تھی۔ دیوانگی، ناسمجھی، کم عمری نے انھیں سنجیدگی و بردباری کی عمر نہ ہونے کے باعث ان کی شاعری کو قابلِ توجہ نہ سمجھا اور کوئی اہمیت نہ دی۔ اگر یہ تمام اشعار تحریر ہو جاتے تو بقول سراج ایک ضخیم دیوانِ فارسی مرتب ہو جاتا۔

سراج نے بارہ سال کی عمر تک ابتدائی تعلیم اپنے والد سید درویش سے حاصل کی۔ حالت وحشت وجنون میں سات سال گزارے۔ اس طرح ۱۹ سال کی عمر میں ۱۱۴۳ھ میں حالتِ جنوں سے نکل کر ہوش وخرد سے کی دنیا میں آئے۔ چوں کہ دیوانگی میں حضرت برہان الدین غریبؒ کے مزار پر برہنہ پا چکر کاٹتے تھے۔ کیفیتِ وارفتگی وجنون علم و عرفاں اور راہ سلوک کی منازل سے گزرنے کے باعث وحدانیت اور کائنات کے اسرار ورموز، دنیا کی بے ثباتی سے واقف ہو چکے تھے۔ ہوش وخرد کی دنیا میں واپس آتے ہی مرشد حق کی تلاش شروع کی اور جلد ہی انھیں حضرت عبدالرحمان چشتیؒ جیسے مرشد بزرگ سے بیعت ہوئے۔ ان کی مریدی اختیار کی۔

۱۱۴۳ھ سراج کی زندگی کا اہم سال ہے۔ اسی سال وہ ہوش وخرد کی دنیا میں آئے۔ دوسری وجہ انھیں حضرت عبدالرحمٰن چشتی جیسے بزرگ کامل مرشد سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ تیسری بڑی وجہ اپنے پیر بھائی عبدالرسول خاں کے اصرار وخوشنودی کی خاطر انھوں نے اردو میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ انھیں اردو اشعار محفوظ رکھنے کا خیال کبھی پیدا نہ ہوا۔ ان کے ان اردو اشعار کو عبدالرسول خاں ہی نے محفوظ کیا۔ ۱۱۵۱ھ میں اردو دیوان مرتب کیا۔لیکن سراج کی اردو غزل گوئی کا سلسلہ زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ ۱۱۵۱ھ دیوانِ اردو کی تدوین کے ایک سال بعد ۱۱۵۲ھ میں اپنے پیر ومرشد کے حکم پر ترک شاعری کیا۔ ۱۱۵۲ھ ہی میں عبدالرحمٰن چشتی نے انھیں خلافت عطا کی اور خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے بارے میں ''منتخب دیوانہا'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

> فقیر بعد چندے بہ لباس فاخرہ ''الفقر فخری'' ممتاز گردید۔ واز ہماں روز موافق امر مرشد برحق تا حالتِ تحریر کہ سال ہفت دہم است، دستِ زباں از دامنِ سخنِ موزوں کشید۔ (۱۰۰)

فارسی شعرا کے کلام پر مبنی ''منتخب دیوانہا'' کے دیباچے مرتب ۱۱۶۹ھ کے درج بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ

انھوں نے سترہ (۱۷) سال قبل ۱۱۵۲ھ میں دامنِ سخن (اردو غزل گوئی) سے ہاتھ کھینچا اور نو (۹) سال کے عرصے میں پانچ ہزار اشعار ان کے مشقِ سخن کی مختصر مدت قلیل کا فکر انگیز نتیجہ ہیں۔ اس سے سراج کی زود گوئی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کا سارا کلام سراپا انتخاب ہے۔ معرفتِ الٰہی، تصوف کے خیالات سے مملو ہے۔ اس میں کسی قسم کا سوقیانہ پن اور ابتذال نہیں۔ اپنی منکسر المزاجی کے باعث وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو باعثِ افتخار نہیں گردانتے۔ ان کے شاگردِ خاص اور ہم عصر رفیق پروانہ نے اپنی تالیف ''انوارالسراج'' میں سراج کی انکساری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

شاعری ننگ سید ما بود۔ دیگراں افتخار می دانند۔[۱۰۱]

غرض کہ ۱۱۵۲ھ سراج کی ترکِ شاعری (اردو غزل گوئی) کا سال ہے۔ مرشد کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی سال خلافت ملی تو شاعری ترک کر کے باقی عمر ارادت مندوں کی روحانی رہنمائی کرتے گزاری۔ تاہم اپنے شاعرانہ ذوق فطرت کو ودیعت الٰہی کی عطا کردہ صلاحیتوں کے چونکا دینے والے کرشمات سے نہ بچا سکے۔ دیوانِ اردو ۱۱۵۲ھ اور فارسی شعرا کا انتخاب کلام ۱۱۶۹ھ ''منتخب دیوانہا'' کی تدوین میں سترہ سال کا درمیانی عرصہ رہا ہے۔ انھوں نے اردو شاعری (غزل گوئی) ترک کرنے کے بعد یہ مجموعہ فارسی شعرا کا انتخاب تالیف کیا، لیکن یہاں خود سراج کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے کہ وہ اردو دیوان اور انتخاب فارسی ''منتخب دیوانہا'' کے درمیانی عرصہ میں اردو شہرہ آفاق مثنوی ''بوستان خیال'' ۱۱۶۰ھ میں منظرِ عام پر لائے۔ جو اُن کی محض دو دن کی کاوش کا ثمرہ ہے۔ ترکِ شاعری کے معاملے میں سراج کے بیان سے غلط فہمی اور غلط نتائج اخذ ہوئے انھوں نے جو یہ تحریر کیا کہ:

سال ہفت دھم است، زبان از دامنِ سخن موزوں کشید۔[۱۰۲]

سراج کے اس بیان سے یہ عام خیال پیدا ہوا کہ انھوں نے ہر طرح کی شعر گوئی سے مکمل اجتناب کیا اور اس سترہ سال کے عرصے میں کچھ نہیں کہا، لیکن اصل حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ دراصل اس کے ادراک میں غلطی ہوئی۔ سراج نے شعر گوئی ترک نہیں کی، بلکہ غزل گوئی چھوڑی۔ عبدالرسول خاں کا مرتب کردہ دیوان ردیف وار غزلیات پر مبنی تھا۔ انھوں نے نے اس عرصہ نو (۹) سال ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۲ھ کا آغاز شاعری سے ترکِ شاعری میں صرف غزلیات ہی کہی تھیں۔ اگر انھوں نے دیگر اصناف میں کچھ کہا ہوتا تو یقیناً عبدالرسول خاں اسے بھی شامل کرتے۔ درحقیقت انھوں نے غزل گوئی ترک کی کہ اس کا موضوع عشقیہ جذبات و کیفیات کا بیان ہے۔ جس کا اظہار ''الفقر فخری'' حاصل کرنے والے کے لیے مناسب نہیں۔

ان کی تمام مثنویات مع ''بوستانِ خیال'' ۱۱۶۰ھ ترک شاعری ۱۱۵۲ھ کے بعد کی تخلیق ہیں۔ دیگر اصنافِ سخن مثلاً مخمس، رباعی، فرد، مستزاد، ترجیع بند، بازگشت وغیرہ بعد کی تخلیق ہیں، کیوں کہ یہ تمام اصناف عبدالرسول خاں کے مجموعے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں شامل نہیں۔ سراج فطری شاعر تھے۔ شاعری سے فطری وقلبی لگاؤ تھا۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حالتِ جنون و دیوانگی میں بھی بے اختیار و برجستہ فارسی اشعار ان کی زبان سے جاری رہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ یک لخت شعر گوئی سے مکمل اجتناب برتتے۔ شاعری تو ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ لہٰذا مرشد کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے غزل گوئی کو ترک کیا، شعر گوئی کو نہیں۔ اس کا واضح ثبوت ۱۱۶۰ھ میں ''بوستانِ خیال'' جیسی معرکہ آرا مثنوی کا تصنیف ہونا ہے۔ شاعری سے مناسبتِ طبعی اور گہرے لگاؤ نے انھیں اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے دوسری اصنافِ سخن کی جانب مائل کیا۔ ۱۱۴۳ھ اردو غزل گوئی سے ۱۱۵۲ھ ترک شاعری کے درمیانی عرصے میں وہ شہر کے مشاعروں میں بالالتزام شریک ہوتے تھے۔ اپنے کلام سے حاضرینِ محفل کو متاثر کرتے اور خوب دادِ سخن حاصل کرتے تھے۔ مرشد کے ۱۱۵۲ھ کے ترک شاعری کے حکم سے معمولات میں فرق آ گیا، لیکن شاعری سے وہ مکمل دست بردار نہ ہو سکے۔ اردو میں تو برادرِ طریق عبدالرسول کے اصرار اور ان کی خوشنودی و رضا کی خاطر شعر گوئی شروع کی تھی ورنہ حقیقی رغبت و میلان فارسی کی جانب تھا۔

لہٰذا فارسی سے گہرے شغف وفطری میلان کے باعث انھوں نے ترکِ شاعری کے بعد فارسی اساتذہ کے کلام کا مطالعہ شروع کیا۔ اپنے فارغ اوقات کے لیے مصروفیت تلاش کی۔ فارسی شعرا کے کلام کے مطالعے سے اپنے شعری ذوق کے مطابق شعر نوٹ کرتے اس طرح اچھا خاصا انتخابِ اشعار کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جسے انھوں نے ''منتخب دیوانہا'' کے نام سے ۱۱۶۹ھ میں مرتب کیا۔

اس ''منتخب دیوانہا'' کے دیباچے کی جو کہ پینتیس تا چالیس سطور پر مشتمل ہے، سراج کی سوانح کے لحاظ سے اس مختصر دیباچے کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے شاگردوں اور ارادت مندوں کا حلقہ وسیع ہے۔

''انوارالسراج'' کے مصنف ضیا الدین پروانہ جو کہ سراج کے نہایت قریبی وعزیز شاگرد تھے۔ جنھوں نے پروانہ کا تخلص اختیار کیا۔ پروانہ نے اپنا جاں نثاری کا حق ادا کیا۔

شاعرانہ سرمایہ:

شاعرانہ سرمایہ سے مراد سراج اورنگ آبادی کا وہ کل شعری اثاثہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ ہے جو انھوں نے اپنی زندگی میں تخلیق کیا۔ ان کا اردو دیوان عبدالرسول خان نے ۱۱۵۱ھ میں ترتیب دے دیا تھا۔ کلیات میں شامل دیگر شعری اصناف مثلاً مثنوی، فردیات، رباعیات، مخمسات، مستزاد اور ترجیع بند وغیرہ اُن کے قادر الکلام شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ مشہور و

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مقبول مثنوی ''بوستانِ خیال'' ہے۔ فارسی شعرا کا غزلیات پر مبنی انتخاب کلام ۱۱۶۹ھ ''منتخب دیوانہا'' کے نام سے ترتیب دیا۔ فارسی شعرا کا انتخاب کلام سراج کی یہ آخری بڑی شعری خدمت ہے۔

سراج کی تصانیف کے مجموعے دنیا بھر کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (۱۰۳)

۱۔ ''کلیاتِ سراج''، مخزونہ انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، کراچی نمبر ق ۱۱۳، مکتوبہ ۱۱۶۰ھ (سب سے قدیم نسخہ ہے سراج کی زندگی ہی میں اس کی تکمیل مکمل ہو چکی تھی)۔ (۱۰۴)

۲۔ ''کلیاتِ سراج''، سابق مملوکہ ضیاء الدین پروانہ ۱۱۶۱ھ۔ سراج کے زیرِ مطالعہ رہا (حاشیے پر تین غزلوں کا اپنے قلم سے سراج نے اضافہ کیا)۔

۳۔ ''دیوانِ سراج''، مخزونہ انجمن ترقّیٔ اردو پاکستان، کراچی ق ۱۶۳ مکتوبہ ۱۱۶۸ھ ہے۔

۴۔ ''دیوانِ سراج'' موسومہ ''آتش کدۂ محبت'' مخزونہ کتب خانہ خانقاہ عنایت الٰہی حیدر آباد دکن، مکتوبہ ۱۱۸۰ھ (مکمل نسخہ/مخطوطہ) ہے۔

۵۔ ''کلیاتِ سراج''، مخزونہ کتب خانہ مشرقی سالار جنگ نمبر ۴۳۸ مکتوبہ ۱۱۷۳ھ ہے۔

۶۔ ''کلیاتِ سراج''، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن نمبر ۳۹۱، مکتوبہ ۱۱۸۹ھ ہے۔

ان کُل سولہ (۱۶) دیوان وکلیات کے مخطوطات میں سے تین انجمن ترقّیٔ اردو پاکستان، کراچی والے مخطوطے سنہ ۲۰۰۰ء کو بعد قومی عجائب گھر دیگر دوسرے مخطوطات کے ساتھ منتقل کر دیا گیا۔

بیاض: اس کے علاوہ ایک انتخاب کلام سراج بیاض میں ہے جو کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کی مملوکہ بیاضات میں مندرجہ ذیل عنوانات سے شامل ہے۔ (۱۰۵)

(۱) بیاض ق ۳/۶۲۵، (۲) ق ۳/۶۳۳، (۳) ق ۳/۶۴۴، (۴) ق ۳/۶۷۸، (۵) ق ۳/۶۸۵، (۶) ق ۳/۶۸۶، اور (۷) ق ۳/۳۶۰ میں سراج کی غزلیات موجود ہیں۔ ان میں ق ۳/۶۸۵ کی بیاض میں سراج کا زیادہ طویل انتخاب کلام درج ہے۔

مخطوطات مثنوی بوستانِ خیال اور دیگر مثنویات:

(۱) مثنوی ''بوستان خیال'' کے نو (۹) مخطوطے ہیں۔ ان میں سے ایک مخطوطہ انجمنِ ترقّیٔ اردو کراچی سے ۲۰۰۰ء میں قومی عجائب گھر کراچی منتقل ہو چکا ہے۔ ''بوستان خیال'' مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی، مکتوبہ ۱۱۸۰ھ کا ہے۔ (۱۰۶) ایک مثنوی سوز و گداز کا مخطوطہ ہے۔ مسدس درمنقبت حضرت علیؓ نامکمل اور غیر مستند ہے۔ اب سراج کے ذوقِ شعری اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سخن شناسی و ناقدانہ بصیرت افروزی پر مبنی آخری تصنیف جو کہ فارسی غزل گو شعرا کے کلام کا ردیف وار انتخاب ہے۔

منتخب دیوانہا:

''منتخب دیوانہا'' کے پانچ مخطوطات ہیں۔ جو کہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ (۲) انڈیا آفس لائبریری ۱۱۹۱ھ۔ (۳) مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ۔ (۴) مخزونہ انجمنِ ترقّیٔ اردو کراچی نمبر ف ۲/ ۴۶۔ ناقص الاوّل ا آخر۔ اس میں حاشیے پر سراج کی غزلیات، مخمسات، رباعیات فردیات اور مستزاد شامل ہیں۔ اس میں ترتیب دیوان کا قطعۂ تاریخ بھی موجود ہے، جس کے مصرعے ہجری تھے، ہزار یک صد و پنجاہ و یک ہے۔ غزلیات کے علاوہ ۹ رباعیات، ۱۰ مخمسات، اور ۴ بازگشت میں لیکن ان کی ترتیب مطبوعہ مختلف ہے۔[(۱۰۷)] جب کہ (۵) ''منتخب دیوانہا'' کا مخطوطہ ہے۔ یہ مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ کا ہے (نامکمل ہے)۔ اس میں شعرا کا منتخب کلام ردیف وار ترتیب سے ہے۔ زندہ شعرا کے نام کے ساتھ سلمہ یا سلمہ اللہ جیسے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ اس میں سراج کا ایک شعر بھی شامل نہیں۔

انوار السراج:

ضیاء الدین پروانہ کی ۱۲۰۳ھ کی تصنیف ''انوار السراج'' کا مخطوطہ ہے۔[(۱۰۸)] جو سراج کے حالات زندگی و پیدائش پر مفید معلومات دیتا ہے۔ سراج کی اپنی تصنیف نہیں۔ اسی طرح ایک مسدس در منقبت حضرت علیؓ بھی میر عباس کی بیاض سے ملی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں ملا۔ یہ منقبت بھی سراج سے منسوب ہے۔ مستند نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی سراج کے کلام میں شامل نہیں۔

بوستانِ خیال دو (۲) دن میں ۱۱۶۰ ابیات پر مبنی ۱۱۶۰ھ کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس مثنوی میں تمام شعری نزاکت و لطافت حسن بیاں کے ساتھ معرفتِ الٰہی اور سوز و گداز کے پر تاثر انداز میں اظہار ان کی فطری و تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔

اسی طرح سات سال حالتِ دیوانگی کے بعد فرزانگی میں داخل ہونے کے مختصر عرصہ ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۲ھ عرصہ نو سال میں ۵۰۰۰ اشعار پر مبنی اردو دیوان ترتیب دینا ان کے قادر الکلام شاعر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ بیشتر تصانیف میں درج ہے کہ سراج نے پانچ سال میں پانچ ہزار شعر کہے جو کہ غلط ہے۔ پانچ سال نہیں ۹ سال میں کہے۔ ''چمنستان شعرا'' میں شفیق نے لکھا ہے:

در آن ایام برائے پاس خاطر عزیز عبدالرسول خاں صاحب کہ برادر طریق ایں فقیر اند،

اکثر اشعار آبدار در زبانِ ریختہ بہ سلک سطور منسلک گشت۔ ایشان آن جواھر متفرق را
کہ قریب پنج ہزار بیت بود بہ ترتیب دیوان مردف نمودہ حصۂ مشتاقان خاص گردید۔ (۱۰۹)

سراج کے کلام نے ان کے نام سے زیادہ شہرت پائی۔ محافل سماع میں جب ان کا کلام پڑھا جاتا تو ہر طرف ایک سحر آگیں وجد کی فضا طاری ہو جاتی۔ لوگ بڑے ذوق شوق سے ان کے کلام کو پڑھتے اور سر دھنتے۔ جس سے ان کے کلام کی مقبولیت چہار سو پھیل گئی۔ کلام کا زدِ عام ہونا جہاں مفید و مثبت ہوا وہاں اس کا منفی پہلو یہ بھی نکلا کہ ان کے کلام کو بغیر تحقیق جس سے چاہا منسوب کر دیا۔ مثلاً ان کے کلام کا ولی کے کلام میں شامل ہونا عام بات ہے۔ ولی و سراج کے کلام کو اکثر خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ عبدالقادر سروری نے اس کی نشان دہی کی ہے کہ کتب خانہ سالار جنگ میں ایک مخطوطہ ایسا بھی ہے جس میں ولی اور سراج کا کلام یک جا مجلد ہے۔ ان کی مشہورِ زمانہ غزل جس نے ہر دور میں شہرت کے جھنڈے گاڑھے اور جس کی مقبولیت میں آج بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ غزل کا مطلع ہے:

خبر تحیّرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

سراج کی اس غزل کو بعض تذکرہ نگاروں نے بغیر تحقیق جس شاعر سے چاہا منسوب کر دیا۔ حالاں کہ یہ غزل اپنے عارفانہ رنگ خیالات سے مملو سراج کے مزاج اور رنگِ تغزل کی صاف چغلی کھا رہی ہے۔ پھر بھی اسے دوسرے شعرا سے منسوب کرنا سخن ناشناس ہونے کا ثبوت ہے۔

مصطفیٰ خاں شیفتہ کی سخن فہمی کے تو غالب جیسے عظیم شاعر بھی معترف تھے، لیکن خلافِ توقع وہ بھی غلطی کر گئے۔ اپنی عدم واقفیت کے سبب اس مشہور غزل کو اپنے تذکرہ ''گلشنِ بے خار'' میں ایک ایسے سراج نامی شاعر سے منسوب کیا، جس سے وابستہ ایک عشقیہ داستان بھی بیان کی ہے۔ (۱۱۰)

اس طرح قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرہ ''مجموعہ نغز'' میں سراج کے پانچ شعر درج کرنے کے بعد اسی کو ''ایں غزل را بعضے سراج الدولہ والیٔ بنگالہ نسبت می کنند'' لکھ کر اپنی لاپرواہی، عدم واقفیت و کم علمی کا ثبوت دیا۔ (۱۱۱) تذکرہ ''گلشن ہمیشہ بہار'' عبدالعلیم نصر اللہ خاں خویشگی، مرتب اسلم فرخی نے اسے سراج اورنگ آبادی سے منسوب کیا ہے۔ (۱۱۲) جب کہ اکثر تذکروں، مخطوطات اور دیوان میں سراج کی یہ غزل شامل ہی نہیں کی گئی۔

غرض کہ سراج کے شاعرانہ سرمایہ میں ان کی تخلیق کردہ غزلیات و دیگر اصناف سخن اردو مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔ اس میں ان کا ناقدانہ بصیرت افروز سخن فہمی پر مبنی فارسی شعرا کا انتخاب کلام ''منتخب دیوانہا'' بھی شامل ہے۔ جس میں انھوں نے فارسی اردو اشعار لکھے۔ شاگردوں کی اصلاح شعرا کے حوالے سے فارسی خطوط بھی ان کے شعری سرمائے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں شامل ہیں۔

وفات:

سراج نے شادی نہیں کی۔ تجرد کی زندگی گزاری۔ ترک شاعری کے بعد ان کا زیادہ تر وقت اپنے مرشد عبدالرحمٰن چشتیؒ کی رفاقت میں گزرتا یا پھر اپنے ارادت مندوں میں مصروف رہتے۔ درسی شاعر تھے۔ شاعری ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ لہٰذا مرشد کے حکم پر ۱۱۵۲ھ میں غزل گوئی ترک کی کیوں کہ غزل عاشقانہ موضوعات کے اظہار کا نام ہے۔ تاہم شعر گوئی سے اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔(۱۱۳) گو کہ یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں ان کی کی یہ دل چسپیاں عملی نہیں رہی تھیں۔ وہ ہمہ تن تزکیۂ باطن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ مگر احباب سے بے تکلف ملتے اور لطف صحبت حاصل کرتے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی سے زیادہ رسم تھی۔(۱۱۴)

۱۱۵۲ھ میں خلافت ملنے کے بعد سراج کی زندگی زیادہ قابل احترام ہو گئی تھی۔ انھیں بزرگی کا تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ گو کہ ظاہراً ان کی عمر ابھی ایسی بزرگی کے قابل نہ تھی، جو انھیں حاصل ہوئی۔ وہ اس عزت و احترام، تقدس و بزرگی پانے کے باوجود وہ تنہائی کی زندگی گزار رہے تھے۔ کام کے لیے دو خدمت گار موجود تھے لیکن ان کے پاس کوئی رفیق، ہمدم دیرینہ ساتھ نہ تھا جس سے اپنی ذاتی زندگی کے دکھ سکھ بانٹ سکتے۔ جس کی وجہ سے انھیں تنہائی کی اذیت کا سامنا رہا۔ ۱۱۶۱ھ میں مرشد عبدالرحمٰن چشتیؒ نے ایلچ پور کے مقام پر رحلت فرمائی۔ سراج بھی ان کے ساتھ تھے۔ مرشد کی وفات نے انھیں مزید تنہا کر دیا۔ ہم مزاج رفیق دوست احباب سلسلۂ روزگار کے سبب پاس نہ رہے جس سے تنہائی کا احساس مزید بڑھ گیا۔

ان کے جاں نثار مرید و شاگرد ضیاء الدین پروانہ ملازمت کے سلسلے میں بیجا پور مقیم تھے۔ شاہ چراغ جس سے سراج کو دلی لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ انھوں نے احمد نگر میں پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہ شاہ چراغ سراج کے مرید تھے۔ سراج انھیں اپنا خلیفہ و جانشیں بنانا چاہتے تھے۔(۱۱۵) اس کا اشارہ ایک خط میں ملتا ہے جو انھوں نے پروانہ کے نام لکھا تھا:

> بحالیست وصیت مرتب گردانیدہ بود لیکن شاہ چراغ در احمد نگر مع قبیلہ از مدت یکساں اند۔(۱۱۶)

شاہ چراغ کو وہ خطوط کے ذریعے ملنے کے لیے بلاتے رہے مگر وہ نہ آئے حتیٰ کہ سراج نے ان کی بیوی لالن جیو کو خط میں لکھا کہ اگر وہ نہیں آتا تو تم فوراً میرے پاس چلی آؤ(۱۱۷) مگر کوئی نہ آیا۔ جس سے سراج دلبرداشتہ ہوئے۔ سراج کو جہاں ایک صدمہ ان کی جدائی کا سہنا پڑا وہاں دوسرا صدمہ شاہ چراغ کے طرزِ عمل کا بھی تھا کہ انھوں نے احمد نگر میں

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

درویشی کو کاروبار بنا لیا تھا۔ شاہ چراغ سراج کے باغی مرید تھے۔ بار بار بلانے پر نہ آئے۔ البتہ بعد وفات سراج، ان کے تکیہ پر قبضہ کر کے سراج کے مرید خاص ہونے کا خوب فیض اٹھایا۔ اورنگ آباد کے فرقہ پوشوں میں وہ شاہ چراغ ''سراج ثانی'' کے نام سے مشہور تھے۔[118]

عبدالرسول خاں، برادر طریق کہ جن کے مشورے پر سراج نے اردو میں شاعری شروع کی۔ وہ لشکر میں رہا کرتے تھے۔ تاج الدین جیسے رفیق بھی پاس نہ تھے، پروانہ بھی بہ سلسلہ ملازمت و کاروبار بیجا پور میں تھے جو ان کی خطوط سے دلجوئی اور مالی اعانت کرتے۔ مخلص دوستوں کی عدم موجودگی، تنہائی اور بیماری نے سراج کو پژمردہ کر دیا۔

آخری عمر میں سراج ضعفِ معدہ، اسہال اور بواسیر جیسے امراض میں مبتلا ہوئے۔ پروانہ کو خط میں لکھتے ہیں کہ:

> از مدت ہفدہ، ما بواسیر بادی و ضعف قوائے رئیسہ۔۔۔ کہ بسیر چوک ہم معذور است۔[119]

شاہ چراغ کو ایک خط میں اپنے حالات و بیماری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> فقیر تا حال در ہماں بیماری از مدت یک و نیم سال گرفتار است دہر روز دوائے حکیماں بعمل می آید۔ یکے بیماری و دویم تنہائی دکسے دلسوز در خدمت نیست۔[120]

سراج نے شاہ تاج الدین کو جو خط لکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات مرض کی شدت کا باعث وہ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ چار سال مرض اسہال وضعف معدہ کا شکار رہے۔ انھیں خط میں لکھتے ہیں:

> دریں ایام مرض اسہال کہ از مدت چہار سال است غالب افتادہ۔ طاقت تحریر خط نبود۔ لیکن جذب محبت وشما بود کہ ایں قدر نوشتہ شد۔[121]

سراج ان بیماریوں سے تنگ آ گئے تھے۔ علاج سے کچھ دنوں کے لیے افاقہ ہو جاتا۔ پھر مرض کی شدت عود آتی۔ رفتہ رفتہ کمزوری اتنی بڑھی کہ کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے۔ ان کی اس کیفیت کا حال سن کر پروانہ نے اپنی ملازمت و کاروبار کو خیر باد کہا۔ وہ سراج کی وفات سے چند ماہ قبل تیار داری کے لیے آ گئے اور آخر وقت تک ان کے پاس رہے جس سے سراج کو کافی تقویت ملی۔ شاہ تاج الدین بھی باقاعدگی سے خطوط کے ذریعے ان کی خیریت دریافت کرتے اور دلجوئی کرتے تھے۔ تمام رفقائے کار ان کا خیال کرتے سوائے شاہ چراغ جیسے باغی مرید کے۔ سراج کو شاہ چراغ سے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ انھیں خطوط میں بار بار بلاتے رہے۔ انھوں نے اپنے سلسلۂ خلافت کا شجرہ بھی تیار کر لیا تھا۔ سراج کا ارادہ انھیں اپنا خلیفۂ اول اور جانشین مقرر کرنے کا تھا۔[122] بہ اصرار انھیں بلاتے رہے۔ مایوس ہو کر اپنے انتقال سے چار ماہ بائیس دن قبل فقرائے عصر اور مشائخ شہر کے سامنے انھوں نے پروانہ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔[123] یہ اعلان عبدالرحمٰن

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

چشتی کے عرس کے موقع پر کیا تھا۔

بالآخر ناتوانی ضعف، بیماری کے باعث اسی حالت مرض میں بتاریخ چار شوال ۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۳ء بروز جمعہ بوقت نماز پیشین داعی اجل کو لبیک کہا۔(۱۲۴) وقت آخر پروانہ ان کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے ہی سراج کی آخری رسومات ادا کیں۔ جنازے کو اورنگ آباد کی چوک کی مسجد میں پہنچایا گیا جہاں شہر کے علما، مشائخ و عمائدین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مجمع دو ڈھائی ہزار سے زیادہ تھا۔ نمازِ جنازہ کے بعد تکیے میں ہی تدفین عمل میں آئی۔(۱۲۵) پروانہ نے زرِ کثیر صرف کر کے ایک گنبد تعمیر کروایا۔ اب یہ جگہ شاہ سراج کے تکیے کے بجائے شاہ چراغ کے تکیے کے نام سے مشہور ہے۔ اورنگ آباد میں روہیلہ گلی کے شمال میں نالے کے مرتفع حصے پر واقع ہے۔(۱۲۶) مزار کے چاروں جانب مریدوں اور عقیدت مندوں کی قبریں ہیں۔

شاہ سراج کے انتقال پر تمام شہر میں سوگ منایا گیا۔ مشہور شعرا نے ان کی وفات کی تاریخیں لکھیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی، لچھمی نرائن شفیق، ضیاء الدین پروانہ، شاہ قاسم علی و دیگر رفقا شامل ہیں۔ لوح مزار پر پروانہ کا کہا ہوا قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

مہِ سپہر سخن چوں در ابر پنہاں شد   زمینِ فکر بہ ظلماتِ صبر پنہاں شد
ندا رسید ز ہاتف ز مست پروانہ   بگو ''سراج بہ فانوسِ قبر پنہاں شد''(۱۲۷)

میر غلام علی آزاد بلگرامی قطعۂ تاریخ میں کہتے ہیں:

شمعِ شعراء سراجِ خوش فکر   در ماتمِ او سخن سیہ پوش
تاریخِ وفاتِ او خرد گفت   ''ہے ہے مصباحِ ہند خاموش''(۱۲۸)

لچھمی نرائن شفیق نے یہ تاریخ کہی:

سیّدِ حق پرست معنی سنج   کہ از و یافتِ شعر حسنِ رواج
سالِ فوتش شفیق کرد رقم   رو بہ رحماں نمود شاہ سراج(۱۲۹)

شاہ قاسم علی قاسم نے سراج کی وفات پر اپنے ملال کو اس طرح بیان کیا:

شاہ قاسم علی ہزار افسوس
یار ہمدرد روٹھ گئے وو سراج(۱۳۰)

اس طرح دکنی ادب کے آخری بزم کی شعری روایت کی ''شمع فروزاں'' ہمیشہ کے لیے گل ہوگئی۔ سراج کی جاں پُرسوز جو عشق حقیقی سے ملنے کے لیے بیتاب تھی رحمت الٰہی کی آغوش میں ۵۳ سال (۱۱۲۴ھ تا ۱۱۷۷ھ) کی عمر میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آسودۂ خاک ہوگئی۔

سراج نے اپنی شعلہ بیانی سے دل پرسوز کی جو روداد سنائی، تغزل کو جن نئی جہتوں سے روشناس کیا، اُسے نئی معنویت عطا کی، بصارت وبصیرت کے جن گل گشت جہانِ معنی کی سیر کرائی، علم وعرفان اور جذب وجنوں کی جن کیفیات سے آشنا کیا۔ انھوں نے غزل کی نئی شعری روایت کی قائم کی کہ جس پر چلتے ہوئے میر ''خدائے سخن'' کہلائے تو میر درد ''تصوف کے امام'' بنے۔ فلسفیانہ مضامین کے بیان میں مرزا غالب نے شہرت بےنظیر پائی تو ''عشق'' کے تقدیس کے بیان میں محمد اقبال نے بھی شہرت لازوال پائی۔

ان تمام شعرا نے جو شہرت و ناموری پائی۔ ان تمام خصوصیات شعری کا منبع سراج کا رنگ تغزل ہے۔ عشق، تصوف، فلسفیانہ اندازِ فکر وموضوع کو سراج نے نئی معنویت، نئی جہت و رنگ تغزل سے آشنا کیا۔ ان سب نامور شعرا نے سراج کی قائم کردہ شعری روایت یعنی رنگ تغزل سے استفادہ کیا۔

سراج درج بالا شعرا سے پہلے کا شاعر ہے۔ اپنے طرزِ فکر ونظر اور اندازِ بیاں میں یکتائے فن ہے۔ انھوں نے علم و عرفاں، معرفت الٰہی وتصوف کے حقیقی مضامین وموضوعات سے غزل کو ایک نئی جہت عطا کی۔ عشق، سوز وگداز، رعنائیِ خیال، ندرت بیاں، جدت ادا، نازک خیالی، بےساختگی، برجستگی، شگفتگی وفکر وفلسفہ غرض کہ تمام محاسن شعری کے لوازم سے آراستہ کر کے جہانِ معنی کی جو سیر کرائی ہے۔ لفظیات سازی، روزمرہ محاورے کے برمحل استعمال سے شعری لطافتوں و نزاکتوں سے روشناس کیا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ ایک فطری، وہبی اور قادر الکلام شاعر تھے۔

پس سراج جیسے شاعر خوش نوا و بےمثال کی شاعری گمنامی یا یادِ ماضی بننے کے ہرگز لائق نہیں۔ سراج اور ان کی شاعری کو نظرانداز کر دینا شعر وادب کی ایسی غلطی ہوگی کہ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ اتنی ہمہ جہت و ہمہ گیر موضوع پر ایسی بےساختہ و برجستہ دل پذیر و دل گداز شاعری کو پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ کیوں کہ سراج اپنے عہد کا ایک نامور شاعر ہی نہیں بلکہ ایک روایت ساز شاعر بھی تھا۔ جس کے چشمۂ فیض سے شمالی ہند کی نئی شعری روایت قائم ہوئی۔ اردو غزل کا مستقبل سراج کے تغزل رنگ سے آج بھی درخشاں ہے۔

حواشی

۱۔ ضیاءالدین پروانہ، ''انوارالسراج'' (قلمی) بحوالہ شفقت، ص ۲

۲۔ سراج اورنگ آبادی، ''کلیاتِ سراج''، مرتب عبدالقادر سروری، ص ۵۲۲

۳۔ مذکورہ قطعہ بحرِ رمل مثمن محذوف ومقصور میں ہے۔ قطعے کے دونوں اوّلین مصرعے بہ اعتبارِ وزن سوالیہ نشان ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے میں سخن درد کے وزن میں بھی رائج رہا ہو جب کہ دوسرا مصرع وزن سے بالکل خارج ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۴۔ شفقت رضوی، ''سراج اورنگ آبادی'' (شخصیت اور فکر و فن)، ص ۸

۵۔ ایضاً، ص ۸

۶۔ ایضاً

۷۔ شمس اللہ قادری، ''اردوئے قدیم''، ص ۱۵۹

۸۔ محمد یحییٰ تنہا، ''مراۃ الشعرا''، ص ۳

۹۔ نصیر الدین ہاشمی، ''دکن میں اردو''، ص ۳۱

۱۰۔ رام بابو سکسینہ، ''تاریخ ادب اردو''، ص ۸۸

۱۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو کی منظوم داستانیں''، ص ۴۱

۱۲۔ رفیق حسین، اردو غزل کی نشوونما''، ص ۵۵

۱۳۔ ظفر یاب خاں، ''سراج اورنگ آبادی''، مضمون مشمولہ ''رسالہ السان الملک''، جنوری، فروری ۱۹۲۴ء

۱۴۔ ثناء الحق، ''میر و سودا کا دور''، ص ۸۷

۱۵۔ عبدالقادر سروری، مقدمہ ''کلیاتِ السراج''، ص ۲۶

۱۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''تاریخِ ادبِ اردو''، جلد اول، ص ۵۶۶

۱۷۔ عبدالغفور مجددی، ''سراج اورنگ آبادی''، مضمون مشمولہ ''مرقع سخن''، ص ۴

۱۸۔ حسن محمد، ''انتخاب سراج''، ص ۳

۱۹۔ محی الدین قادری زور، ''دکنی ادب کی تاریخ''

۲۰۔ مرزا افضل بیگ خاں قاقشال، ''تحفۃ الشعرا''، ص ۲۲

۲۱۔ شفقت، ص ۱۰

۲۲۔ پروانہ، ''انوارالسراج''، بحوالہ، شفقت، ص ۲۳۵

۲۳۔ شفقت، ص ۷

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ قرۃ العین حیدر، ''کارِ جہاں دراز ہے''، ص ۵۱

۲۹۔ شفقت، ص ۱۲

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ پروانہ، ''انوارالسراج''، بحوالہ، شفقت، ص ۱۳

۳۲۔ عبدالجبار ملکاپوری، ''محبوب الزمن''، حصہ اول، ص ۴۸۴، ۴۸۳

۳۳۔ شفقت، ص ۲۴

۳۴۔ سروری، مرتب، ''کلیاتِ سراج''، ص ۶۵۰

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۵۔ شفقت، ص ۳۹
۳۶۔ ایضاً
۳۷۔ ایضاً
۳۸۔ قاقشال، ''تحفۃ الشعرا''، مرتب ڈاکٹر حفیظ قتیل، ص ۲۲
۳۹۔ شفقت، ص ۲۵
۴۰۔ سروری، مرتب، ''کلیاتِ سراج''، مقدمہ، ص ۱۸
۴۱۔ ظفریاب خاں، ''سراج اورنگ آبادی''، بحوالہ شفقت، ص ۲۶
۴۲۔ شفقت، ص ۲۷
۴۳۔ سراج خط بنام پروانہ، بحوالہ سروری، ''کلیات سراج''، ص ۶۵۶
۴۴۔ قاقشال، ص ۲۳
۴۵۔ سروری، ''سراج اور ان کی شاعری''، ص ۲۶
۴۶۔ سراج، ''منتخب دیوانہا''، بحوالہ: شفیق، ''چمنستان الشعرا''، ص ۳۹۹
۴۷۔ عبدالجبار ملکاپوری، ''محبوب الزمن''، حصہ اول، ص ۴۸۳
۴۸۔ سراج، ''منتخب دیوانہا''، بحوالہ سروری، ''سراج اور ان کی شاعری''، ص ۳۳
۴۹۔ شفقت، ص ۱۵
۵۰۔ شفیق، ص ۳۳
۵۱۔ شفقت، ص ۲۲
۵۲۔ سروری، مرتب، ''کلیاتِ سراج''، ص ۱۵۲
۵۳۔ ایضاً، ص ۳۱۲
۵۴۔ سروری، ''سراج سخن''، ص ۲۶
۵۵۔ سروری، ''کلیاتِ سراج''، مقدمہ، ص ۳۰
۵۶۔ ایضاً، ص ۲۸۰
۵۷۔ ایضاً، ص ۳۱۶
۵۸۔ ایضاً، ص ۱۸۷
۵۹۔ ایضاً، ص ۳۱۸
۶۰۔ ایضاً، ص ۱۸۲
۶۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱
۶۲۔ ایضاً، ص ۱۵۱
۶۳۔ ایضاً، ص ۲۱۶
۶۴۔ ایضاً، ص ۲۱۰
۶۵۔ ایضاً، ص ۱۶۶

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۴۳
۶۷۔ ایضاً، ص ۱۹۳
۶۸۔ ایضاً، ص ۲۹۷
۶۹۔ ایضاً، ص ۱۳۵
۷۰۔ ایضاً، ص ۴۶۵
۷۱۔ ایضاً، ص ۲۷۰
۷۲۔ ایضاً، ص ۳۰۹
۷۳۔ ایضاً، ص ۵۱۱
۷۴۔ ایضاً، ص ۴۶۶
۷۵۔ ایضاً، ص ۳۷۸
۷۶۔ ایضاً، ص ۱۵۰
۷۷۔ ایضاً، ص ۴۷۱
۷۸۔ ایضاً، ص ۱۷۸
۷۹۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اقبال سب کے لیے''، ص ۲۵۸
۸۰۔ ایضاً، ص ۲۵۹
۸۱۔ شفقت، ص ۱۵۶
۸۲۔ محمد اقبال، ''بانگِ درا'' مشمولہ ''کلیاتِ اقبال''، ص ۱۰۸
۸۳۔ ایضاً، بحوالہ ''بالِ جبریل''، ص ۱۱۲
۸۴۔ سروری، ''کلیاتِ سراج''، ص ۴۹۵
۸۵۔ ایضاً، ص ۱۴۳
۸۶۔ ایضاً، ص ۴۳۳
۸۷۔ ایضاً، ص ۴۸۶
۸۸۔ ایضاً، ص ۵۱۹
۸۹۔ ایضاً
۹۰۔ شفقت، ص ۵۳
۹۱۔ سروری، ''کلیاتِ سراج''، مقدمہ، ص ۶۹
۹۲۔ میر تقی میر، تذکرہ ''نکات الشعرا''، ص ۹۳
۹۳۔ میر حسن، ''تذکرہ شعراے اردو''، ص ۷۸
۹۴۔ قدرت اللہ شوق، تذکرہ ''طبقات الشعرا''، ص ۲۲
۹۵۔ لالہ سری رام، ''خمخانۂ جاوید''، جلد چہارم، ص ۱۵۱
۹۶۔ شفقت، ص ۵۴

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۹۷۔ ظفر یاب خاں، مضمون ''سراج اورنگ آبادی''، بحوالہ شفقت، ص ۵۵
۹۸۔ عبدالجبار ملکاپوری، تذکرہ ''محبوب الزمن''، حصہ اول، ص ۴۸۳
۹۹۔ سراج، دیباچہ ''منتخب دیوانہا''، بحوالہ شفیق، ''چمنستان الشعرا''، ص ۳۹۹
۱۰۰۔ ایضاً، ص ۴۰۰
۱۰۱۔ پروانہ، ''انوارالسراج''، بحوالہ شفقت، ص ۲۳۵
۱۰۲۔ سراج، ''منتخب دیوانہا'' بحوالہ، شفیق، ص ۴۰۰
۱۰۳۔ شفقت، ص ۴۷
۱۰۴۔ ایضاً
۱۰۵۔ ایضاً، ص ۸۹
۱۰۶۔ ایضاً، ص ۹۰
۱۰۷۔ ایضاً، ص ۹۸
۱۰۸۔ ایضاً، ص ٦
۱۰۹۔ سراج، دیباچہ ''منتخب دیوانہا''، بحوالہ شفیق، ص ۳۹۹۔۴۰۰
۱۱۰۔ مصطفیٰ خاں شیفتہ، تذکرہ ''گلشن خار''، ص ۲۳۸
۱۱۱۔ لالہ سری رام، تذکرہ ''خمخانہ جاوید''، جلد چہارم، ص ۱۵۰
۱۱۲۔ نصراللہ خاں خویشگی، ''گلشن ہمیشہ بہار''، مرتب: ڈاکٹر اسلم فرخی، ص ۱۷۳
۱۱۳۔ سروری، ''کلیات سراج''، ص ۵۲
۱۱۴۔ عبدالحئی، تذکرہ ''گل رعنا''، ص ۸۵
۱۱۵۔ شفقت، ص ۳۷
۱۱٦۔ سراج، ''خط بنام پروانہ، بحوالہ سروری، ''کلیات سراج''، ص ٦۵۱
۱۱۷۔ سراج، ''خط بنام شاہ چراغ''، ایضاً، ص ۵۵
۱۱۸۔ شفقت، ص ۴۲
۱۱۹۔ سراج، ''خط بنام پروانہ، بحوالہ سروری، ''کلیات سراج''، ص ۴۴۹۔۴۵۰
۱۲۰۔ سراج، ''خط بنام شاہ چراغ''، ایضاً، ص ٦٦۱
۱۲۱۔ ایضاً، ''خط بنام شاہ تاج الدین، ص ٦٦۰۔٦۵۹
۱۲۲۔ شفقت، ص ۳۹
۱۲۳۔ ایضاً
۱۲۴۔ ایضاً
۱۲۵۔ ایضاً
۱۲٦۔ سروری، ''کلیاتِ سراج''، ص ۵٦
۱۲۷۔ پروانہ، قطعۂ تاریخ، بحوالہ: شفقت، ص ۴۰

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۲۸۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی، ایضاً، ص ۴۰

۱۲۹۔ شفیق، قطعہ تاریخ، بحوالہ سروری، ''کلیات سراج''، ص ۵۷

۱۳۰۔ شاہ قاسم علی، قطعۂ تاریخ، بحوالہ: شفقت، ص ۴۱

مآخذ

۱۔ اقبال، ڈاکٹر محمد، ''بال جبریل''، مشمولہ: ''کلیات اقبال''، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ ______، ''بانگ درا''، مشمولہ: ''کلیات اقبال''، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

۳۔ پروانہ، ضیاء الدین، ''انوار السراج'' (قلمی)، مملوکہ تحسین سروری، متن مشمولہ: شفقت رضوی، ''سراج اورنگ آبادی (شخصیت اور فکر و فن)''، ادارہ تصنیف و تحقیق، کراچی، ۱۹۸۴ء

۴۔ تنہا، محمد یحییٰ، تذکرہ ''مراۃ الشعرا''، شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۵۰ء

۵۔ ثناء الحق، ''میر و سودا کا دور''، ادارہ تحقیق و تصنیف، کراچی

۶۔ جالبی، ڈاکٹر جمیل، ''تاریخ ادب اردو''، جلد اوّل، طبع سوم، مجلس ترقی اردو، لاہور، ۱۹۸۷ء

۷۔ خویشگی، نصر اللہ، تذکرہ ''گلشن ہمیشہ بہار''، مرتب: ڈاکٹر اسلم فرخی، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۷ء

۸۔ زور، ڈاکٹر محی الدین، ''دکنی ادب کی تاریخ''، ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد دکن، ۱۹۸۲ء

۹۔ سراج، سید، ''منتخب دیوانہا''، مشمولہ: ''نوائے ادب''، شمارہ اپریل، بمبئی، ۱۹۶۰ء

۱۰۔ سراج، ''کلیات سراج''، مرتب عبدالقادر سروری، مخزونہ ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۱۳۵۷ھ

۱۱۔ سروری، عبدالقادر، ''سراج اور ان کی شاعری''، مخزونہ انجمن ترقی اردو، کراچی، س ن

۱۲۔ ______، ''سراج سخن''، اعظم اسٹیم پریس، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۹ء

۱۳۔ سکسینہ، رام بابو، ''تاریخ ادب اردو''، مترجم: مرزا محمد عسکری، غضنفر اکیڈمی، کراچی، س ن

۱۴۔ رضوی، پروفیسر شفقت، ''سراج اورنگ آبادی (شخصیت اور فکر و فن)''، ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، کراچی، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ شفیق، لچھمی نرائن، تذکرہ ''چمنستان الشعرا''، مرتب عبدالحق، انجمن ترقی اردو ہند، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء

۱۶۔ شوق، قدرت اللہ، تذکرہ ''طبقات الشعرا''، مرتب نثار احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء

۱۷۔ شیفتہ، مصطفیٰ خاں، تذکرہ ''گلشن بے خار''، مرتب کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۸۔ ظفریاب خاں، ''سراج اورنگ آبادی''، مشمولہ: ''لسان الملک''، جنوری۔فروری ۱۹۲۴ء

۱۹۔ عبدالجبار، ملکاپوری، تذکرہ ''محبوب الزمن''، حصہ اوّل، حیدر آباد دکن، ۱۹۱۱ء

۲۰۔ عبدالحئی، تذکرہ ''گل رعنا''، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۶۴ء

۲۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر پروفیسر، ''اردو کی منظوم داستانیں''، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۷۰ء

۲۲۔ ______، ''اقبال سب کے لیے''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۵ء

۲۳۔ قادری، شمس اللہ، ''اردوئے قدیم''، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۶۷ء

۲۴۔ قاقشال، مرزا افضل بیگ خاں، تذکرہ ''تحفۃ الشعرا''، مرتب ڈاکٹر حفیظ قتیل، ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد دکن، ۱۹۶۱ء

۲۵۔ حیدر، قرۃ العین، ''کار جہاں دراز ہے''، مکتبہ اردو بازار، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور، س ن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۶۔ رام، لالہ سری، تذکرہ ''خمخانۂ جاوید''، جلد چہارم، دلّی، ۱۹۲۶ء

۲۷۔ مجددی، عبدالغفور، ''سراج اورنگ آبادی''، مشمولہ: ''مرقع سخن''، انجمن ترقی اردو ہند، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

۲۸۔ حسن، ڈاکٹر محمد، ''انتخاب سراج''، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی، ۱۹۶۹ء

۲۹۔ میر، میر تقی، ''نکات الشعرا''، اشاعت دوم، مرتب مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۷۹ء

۳۰۔ میر، حسن، تذکرہ ''شعرائے اردو''، مرتب اکبر حیدری، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء

۳۱۔ ہاشمی، نصیرالدین، ''دکن میں اردو''، ترقی اردو بیورو، نئ دہلی، ۱۹۸۵ء